UNIVERSAL
LIBRARY
OU_226481
UNIVERSAL
LIBRARY

۷۸۶

مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ

بالاتر ازیں سخن چہ گویم — خودرا بشناس من چہ گویم

رسالہ قلندرانہ الموسوم بہ

Checked 1969

آئینۂ خودشناسی

از

محمد نجم الدین ڈپٹی انسپکٹر مدارس ضلع میرٹھ پنشنر
حسب ارشاد جناب مولوی سید گل حسن شاہ صاحب حسنی الحسینی سر حلقہ
اخوان طریقت زیب سجادہ ہدایت و سادہ آرائے خلافت حضرت
قبلہ مولانا مولوی غوث علی شاہ قلندر قادری

مطبع فخر نظامی واقع چھتہ بازار

رباعی

کر دل کو بستہ فکر تیری کیوں رہے — ملنی نہ ملنی کا وہ مختار آپ ہے

عاشق کو شرط یہ ہے کہ وہ ہو کے رہے — جو تجھکو چاہئے کہ تک دل ہی کے رہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بنام آنکہ او نامے ندارد	بہر نامے کہ خوانی سر برارد
درحقیقت نیست حق را ہیچ نام	دم زدن اینجا نشاید. والسلام

عوالم خمسہ

کاملین نے ذات کے مراتب یا عوالم جو از روے کشف تحقیق کئے ہیں وہ یہ ہیں

۱- ہاہوت

وہ عالم ہے جہاں نہ اپنی خبر نہ اس بے خبری کی خبر۔

۲- لاہوت

یہاں اپنی خبر ہوتی ہے اور الوہیت کا دعوے ۔

۳- جبروت

یہاں اپنے وجود سے خود بخود بالتفصیل شناسائی ہوتی ہے ۔

۴- ملکوت

یہاں اپنی تسبیح و تہلیل میں آپ مشغول ہوتا ہے۔

۵۔ ناسوت

یہی عالم ظاہر جہاں ہر مظہر میں خود ظاہر ہے۔

یا یوں سمجھو

(۱) جب خواہشوں میں پڑا ناسوت میں ہے۔

(۲) جب اپنی حمد و ثنا میں مشغول ہوا ملکوت میں ہے۔

(۳) جب اپنے آپ کو پہچانا جبروت میں ہے۔

(۴) جب انی و انا کا نعرہ مارا لاہوت میں ہے۔

(۵) جب سب حالتیں گم ہیں یعنی غیب مطلق تو ہاہوت میں ہے

یا یوں سمجھو

کہ ہاہوت باطن لاہوت کا۔ اور لاہوت باطن جبروت کا۔ اور جبروت باطن ملکوت کا۔ اور ملکوت باطن ناسوت کا۔ اور یہ مراتب جہات سے پاک ہیں نہ اوپر نہ نیچے۔ نہ دائیں نہ بائیں۔ نہ آگے نہ پیچھے۔ اسی طرح زمانہ کو بھی یہاں دخل نہیں اور یہ جو مراتب کی تقدیم و تاخیر ہے صرف سمجھنے سمجھانے کے لئے ہے۔ ورنہ ذات حق اس سے پاک ہے کہ پہلے کچھ اور تھی اور پیچھے

کچھ اور ہو گئی۔ بلکہ وہ ہر آن میں وہی ہے جو تھی۔

تمثیلات

۱۔ تمثیلِ عمارت

جب ایک کامل فن معمار تعمیر مکان کا ارادہ کرتا ہے تو اوّل اُس کے ذہن میں ایک مکان ہوتا ہے بالاجمال۔ پھر اُس کے تمام اجزا کو بالتفصیل اپنے ذہن میں بمقتضائے حکمت ترتیب دیتا ہے پھر اُس ترتیب کے موافق کاغذ پر نقشہ تیار کرتا ہے۔ پھر ٹھیک اُسی کے مطابق خشت و مصالحہ سے در و دیوار بنا کر مکان کھڑا کر دیتا ہے۔ بس وہ اجمالی مکان جو ذہن معمار میں ہے مقام لاہوت ہے اور اُس کی تفصیلی صورت جبروت اور اُس کا نقشہ کاغذ پر عالم مثال یا ملکوت اور مکان تعمیر شدہ ناسوت ہے اور وہ حالت کہ نہ مکان تھا نہ اُس کا نقشہ نہ تعمیر کا ارادہ نہ معمار کو اپنی اور اپنے کمال کی خبر وہ ہاہوت ہے۔

۲۔ تمثیلِ آفتاب

آسمان پر چاند کا چمکنا۔ زمین پر موسموں کا بدلنا۔ نباتات کا اُگنا۔ پھولوں کا کھلنا پھلوں کا پکنا۔ سمندر سے بخارات کا اُٹھنا۔ ہواؤں کا چلنا۔ مینہ کا برسنا۔ ندی نالوں کا چڑھنا۔ حیوانات کی چہل پہل۔ یہ سب کچھ آفتاب جہاں تاب کے

پر تو سے ہو رہا ہے۔ مگر وہ اور اُس کی شعاعیں نہ مقید ہیں نہ آزاد۔ نہ کسی سے تعلق نہ بے تعلقی۔ نہ مشغول بکار۔ نہ معطل و بیکار بلکہ بلا غرض و حاجت اپنے آپ درخشاں و تاباں ہے۔

۳۔ تمثیل سیاہی

سیاہی ذات ہے تو حروف و نقوش صفات ہیں۔ ذات پر نظر کرو تو واحد ہے۔ صفات پر خیال کرو تو بیشمار طرح طرح کے خطوط و نقوش نمایاں ہیں۔ مگر سب کی اصل سیاہی ہے۔ اور ہر شکل میں وہی ظاہر ہے۔ پس جو نمود داری ہے وہ عین سیاہی ہے غیر نہیں۔

۴۔ تمثیل خلا

یہ طلسمات عالم خلا میں نمودار ہے۔ لیکن خلا میں نہ اس کے ہونے سے کچھ بیشی نہ اس کے نہ ہونے سے کچھ کمی۔ ہر ذرہ اُس میں ہے اور وہ ہر ذرہ کو محیط۔ نہ کسی سے جُدا ہے نہ کسی میں شامل جوں کانوں اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ۔

۵۔ تمثیل برف

فرض کرو کہ ایک بحر قلزم ہے۔ نہ اُس کی ابتدا ہے نہ انتہا نہ کنارہ ہے نہ تھاہ۔ اُس میں برف کی چٹانیں بڑی تیر رہی ہیں۔ اب غور کرو تو صورت برف ہے

اور معنی پانی اس صورت میں ظاہر کون ہے؟ وہی پانی۔ اور باطن کیا ہے؟ وہی پانی۔ اوّل کیا تھا؟ وہی پانی۔ آخر کیا ہے؟ وہی پانی۔ غرض برف ایک نمود بے بود ہے پانی سے پانی پر اور عین پانی ہے۔ برف کی صورت اور اسم البتہ فانی ہیں۔ دراصل پانی کے سوا نہ کچھ تھا نہ ہے۔ نہ ہوگا۔ جب برف کو اپنی حقیقت کھلی تو زبان حال سے کہتا ہے۔ **اعلم**

ظاہر تو ہے تو میں نہاں ہوں	باطن تو ہے تو میں عیاں ہوں
تو ہی ظاہر ہے تو ہی باطن	تو ہی تو ہے تو میں کہاں ہوں
تیرے ہوتے کہیں نہیں میں	اوّل آخر نہ درمیاں ہوں
جز نام نہیں نشان میرا	سچ مچ میں بحر بیکراں ہوں

اب دریا کے موج و حباب پر نظر کرو تو وہ بھی پانی کے تعینات کا نام ہے۔ پس حقیقت میں پانی ہی پانی ہے نہ غیر۔

اے موج زآب گر جدائی داری	دانی اوئی وگر ندانی اوئی

تنبیہ

اے بروں از وہم و قال و قیل من	روم	خاک بر فرق من و تمثیل من

جس کی صفت لیس کمثلہ شئی ہے اُس کی معرفت میں برہان و دلیل کیا

اور تشبیہ و تمثیل کیا دونوں بے کار محض ہیں عقل کی مجال نہیں کہ اس میدان میں برہان و دلیل کے گھوڑے دوڑا سکے ۔

عقل در آمد کہ طلب کردمش | نظامی | ترک ادب بود ادب کردمش

تمثیل و تشبیہ اور وہ بھی محسوسات کی اگرچہ ایک کھیل ہے تاہم اس میں مقصود اصلی کی طرف ایک اشارۂ لطیف ہوتا ہے جو طلب و تلاش کو تازہ اور دل کو گرم کرتا ہے خاص کر طالبانِ مبتدی کے حق میں برہان و دلیل سے زیادہ موثر ہے اُن کی استعداد و مذاق سے یہ طریقہ زیادہ مناسبت رکھتا ہے اور بعد حصول و وصول خود معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ گوڑیوں کا سا کھیل بچپن میں مزہ دیتا ہے نہ کہ جوانی میں ۔

جھُٹ مٹ کھیلے سچ مچ ہووے | | سچ مچ کھیلے برا لاگوے
این تصور وین تخیل لعبت است | روم | تا تو طفلی پس بدانت حاجت است
چون ز طفلی رست جان شد در وصال | | فارغ از حس است و تصویر و خیال

ذات

آنچہ بینی پیش ازانت راہ نیست | لا اعلم | غایت فہم تو شد اللہ نیست
بحرِ اعظم میں نہ طوفاں ہے نہ موج و گرداب | اعلم | خشک ہے آبِ رواں اور ہے قطرہ نایاب

نہ پتا ہے نہ ٹھکانہ نہ کوئی راہ و مقام		یعنی الآن کما کان نہ مبدا نہ مآب

ذات بحت ہستی مطلق ہے جو اپنی حقیقت آپ ہے وہی ہست وہی ہستی۔ خود قایم و قیوم۔ خود ناظر و منظور خود ظاہر و مظہر ہے۔ نہ کُل ہے نہ جُز۔ نہ مطلق ہے نہ مقید۔ نہ عام ہے نہ خاص۔ نہ اُس میں وحدت ہے نہ کثرت۔ نہ اُس کو زوال ہے نہ تغیر۔ نہ علم میں سماتی ہے نہ دید میں آتی ہے۔ سب اُسی سے پائے جاتے ہیں مگر کوئی اُس کو نہیں پا سکتا۔ وہ سب کو محیط ہے لیکن خود احاطہ سے باہر ہے غیر سے بے نیاز اور ماسوا سے پاک ہے فہم و قیاس عقل و ادراک جسم و جان اسما و صفات سب اُس میں گم ہیں۔ اُس کی شناخت حیرانی اور اُس کا نشان بے نشانی ہے عقل صرف اتنا کہتی ہے کہ وہ ہے۔ وجدان بولتا ہے کہ جو کچھ ہے اُسی سے ہے یا اُسی میں ہے۔ بے خودی غل مچاتی ہے کہ خود وہی ہے۔

دو عالم چیست نقش صورت دوست		چہ جائے نقش و صورت بلکہ خود اوست

صفات

ہے رنگ لالہ و گل و نسریں جُدا جُدا	غالب	ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیئے
یعنی بحسب گردشِ پیمانۂ صفات		عارف ہمیشہ مست مئے ذات چاہیئے

جب ہستی مطلق مرتبہ ظہور میں کسی خاص تجلی کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے تو اُس

نسبت کو صفت کہتے ہیں۔ اگرچہ سمجھنے میں صفت ذات سے اور ایک صفت دوسری صفت سے جدا ہے۔ لیکن ذات کی تجلی ذات پر کوئی شئے زائد نہیں اس لئے صفت غیر ذات نہیں البتہ لازم ذات ہے کیونکہ ذات کا ظہور ہمیشہ پردۂ صفات ہی میں ہوتا ہے۔

قلندر صاحب

ذات را لازم بود قیدِ صفات		ہم صفاتش را بود ملزوم ذات
لطافت بے کثافت جلوہ آرا ہو نہیں سکتی	غالب	چمن زنگار ہے آئینۂ بادِ بہاری کا

ذات حق کی صفات بھی کامل و قدیم ولازوال ہیں۔ اور اُن کی حقیقت کا ادراک بھی ایسا ہی محال ہے جیسا کہ ذات کا۔ اور صفات اگرچہ محدود و نامحصور ہیں مگر اُن کی کثرت سے ذات کی وحدت حقیقی میں کچھ فرق نہیں آتا۔ مثلاً کسی شخص سے طرح طرح کی ادائیں ظاہر ہوتی ہوں تو اُس سے وحدت شخصی بدل نہ جائے گی۔

الغرض صفات ذاتیہ یا اعلیٰ صفات ۷ ہیں۔

۱۔ حیات	۲۔ علم	۳۔ قدرت	۴۔ ارادہ
۵۔ سمع	۶۔ بصر	۷۔ کلام	

اسما

ایں اسامی از صفت پیدا شدہ	نیاز	غنچۂ ذاتیش چوں گل وا شدہ

ذات باعتبار صفت کے اسم ہے۔ مثلاً اللہ ذات ہی مع جمیع صفات کے اور علیم ذات ہے مع علم کے اور قدیر ذات ہے مع قدرت کے۔ پس اللہ اسم ذات ہے اور علیم و قدیر اسمائے صفات۔ اور جس طرح صفت غیر ذات نہیں اسم بھی غیر ذات نہیں بلکہ اسم عین مسمیٰ ہے۔ یعنی وہی علم ہے وہی علیم ہے۔ وہی قدرت ہے وہی قدیر۔ اور چونکہ صفات کثیر ہیں اس لئے اسما بھی کثیر ہیں۔ پھر ہر ایک اسم مرتبہ ظہور میں اپنے کمال کے ساتھ تجلی کرتا اور اپنے مظاہر میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ مثلاً علیم کا ظہور معلوم ہے چنانچہ علم الٰہی میں کُل معلومات ذرہ ذرہ ازل سے لیکر ابد تک حاضر ہے لیکن یہ معلومات بھی غیر نہیں وہی ذات ہے وہی علم وہی عالم وہی معلوم۔

اب مراتب ظہور پر غور کرو تو جتنا ظہور زیادہ اتنا ہی حجاب زیادہ یعنی ذات کا حجاب علم ہے تو علم کا حجاب عالم اور عالم کا حجاب معلوم۔ اس سے ظاہر ہے کہ حجاب بھی غیر نہیں بلکہ وہ اپنا حجاب آپ ہے ؎

حجاب روئے تو ہم روئے تست در ہمہ حال	نہانی از ہمہ عالم زبسکہ پیدائی

یہاں تک جو مراتب ظہور بیان کئے گئے وہ ذات ہی میں ہیں اور عین ذات اور لازم ذات ہیں۔ ذات بغیر اُن کے اور وہ بغیر ذات کے نہیں۔ اس لئے

اُن کی ہستی واجب ہے۔ اور وہ کمی و بیشی سے یا زوال و تغیر سے پاک ہیں۔ اس کے بعد جو مراتب ظہور ہیں وہ آثار و افعال ہیں۔ جن کا وجود اصل نہیں بلکہ اسما و صفات کی تجلی اُن کے لباس میں ظاہر ہو رہی ہے۔ اس لئے وہ موجود معلوم ہوتے ہیں۔ ان ظہورات کو دو جہان بولتے ہیں۔ اوّل عالم امر ہے۔ دوسرا عالم خلق۔ اوّل کو ملکوت دوسرے کو ناسوت بھی کہتے ہیں۔ لیکن ظہور دو جہان سے بھی ذات میں کچھ زیادتی نہیں ہوئی اگرچہ کثرت بڑھ گئی تاہم ذات جیسی تھی ویسی ہی اب ہے۔ مثلاً تم ایک آئینہ خانہ بناؤ اور اُس میں اپنے آپ کو دیکھو تو ہر آئینہ میں بقدر اُس کی وسعت و استعداد کے تمہاری شکل و صورت اور قد و قامت کا ظہور ہے اور ظہور بھی بکثرت لیکن تم بحال خود ہو نہ گھٹے نہ بڑھے۔

حق ز ایجاد جہان افزوں نشد	روم	آنچہ اول آں نبود اکنوں نشد
در اثر افزوں شد و در ذات نے		ذات را افزونی و آفات نے

روح اعظم

ذات نے چاہا کہ اپنے جمال ذاتی اور کمال صفاتی کو خود مشاہدہ کرے تو اُس نے روح کو اپنی صورت پر پیدا کیا اور اس آئینہ میں اپنے جمال و کمال کا جلوہ

دیکھکر اپنی حمد وثنا کی جس کا ظہور روح میں ہوا۔

اب روح کی شرح اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتی کہ وہ امر ربی ہے اور امر کے معنی یہ ہیں کہ جب کسی شئے کا ارادہ کیا تو کہہ کہ ہو سو ہو گئی ؎

رہِ جاں اوّل از کتم عدم بود	ز نوانش در صفت اوّل قدم بود
رہِ جاں اوّل از ذات تعالےٰ	نفخت فیہ شد از قدرت لا

غرض یہ ہے کہ ارادت وقدرت کا اظہار روح ہے اور وہ ذات جامع الصفات کے لئے بمنزلہ آئینہ ہے یعنی جو کچھ ذات میں ہے وہی روح میں جلوہ گر ہے۔ یا یوں سمجھو کہ ذات جان ہے تو روح اُس کی صورت ہے جس طرح ذات مخفی ہے اسی طرح روح مستور ہے۔ اور ذات کی طرح روح کی حقیقت بھی عقل وفہم کی دسترس سے باہر ہے۔ بیاں میں اتنا ہی آسکتا ہے کہ وہ ایک عالم قدس ہے جو کیفیت وکمیت سے قسمت ومساحت سے شکل وصورت سے اتصال وانفصال سے حالت وسمات سے پاک ہے ہم اور بھی ایسی چیزیں پاتے ہیں جن کی نسبت نہیں کہہ سکتے کیا ہیں؟ کیونکر ہیں؟ کیسی ہیں؟ اور کتنی ہیں؟ مثلاً شادی وغم کا اثر حسن وعشق کا جذبہ۔ ذائقہ وآواز کی کیفیت ہم معلوم کرتے ہیں اس لئے جانتے ہیں کہ یہ چیزیں ہیں۔ لیکن ان کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ پھر روح

جو تمام معلومات حسّی و خیالی و عقلی سے برتر و لطیف تر ہے اُس کی حقیقت کون جان سکتا ہے ہاں وہ آپ ہی جانے تو جانے۔ درحقیقت روح جملہ موجودات میں موجود اوّل اور خلیفۃ اللہ ہے۔ باقی تمام موجودات کی ہستی اُسی کے فیضان سے ہے۔ دونوں جہان اُس کے تصرف میں ہیں سب کو محیط اور سب میں ساری ہے مگر ہر شے میں اُس کا ظہور جداگانہ ہے جیسی جس کی استعداد ہے ویسا ہی اُس کا ظہور ہے۔ فرشتوں میں عصمت ہے تو حیوانات میں خواہش۔ نباتات میں نمو ہے تو جمادات میں کشش۔ بلکہ وہ عین ہستی اشیا ہے۔ وہ اشیا سے اور اشیا اُس سے جدا نہیں۔ صورتِ اشیا جسم ہے اور معنی اشیا روح۔ جسم کی ہستی بے روح نہیں اور روح کا ظہور بے جسم کے نہیں ؎

	در پردہ نہاں باشد بے پردہ عیاں باشد ہم در تنِ ہر دانہ ہم جملہ جہاں باشد	

جسم فانی ہے مگر اُس کی فنا روح پر کچھ اثر نہیں کرتی اگر گھوڑا مر گیا یا گاڑی جل گئی تو سوار کی بلا سے۔

مرکبِ من گر بمیرد گر بمیر		من ہمانم شہسوارِ شیر گیر	

اس میں شک نہیں کہ روح ہم میں ہے اور ہم روح میں بلکہ ہم خود روح ہیں۔ لیکن مبتلائے وہم ہیں اور اپنی نادانی سے جسمانی سود و زیاں کے سودے میں ایسے مشغول ہوئے کہ اپنی اصل سے دور و مہجور ہو گئے کچھ نہیں جانتے کہ ہم کون ہیں اور کیا ہیں ؎ حضرت عطار رح

خبر از خود نداری تا چہ چیزی	نگو بنگر کہ بس چیزے عزیزی
توئی مرموز اسرارِ حقیقی	کہ با روح القدس ہر دم رفیقی
اگر از جانِ خود آگاہ گردی	بربِ الکعبہ بیت اللہ گردی

روح اعظم ایک ہے اور اس کا پرتو اجسام انسان جدا جدا ہے اور اسی جداگانہ پرتو کا نام روح جزوی ہے۔ ان جزوی روحوں کی کثرت سے روح اعظم کی وحدت میں کچھ حرج نہیں پڑتا۔ مثلاً آفتاب کی روشنی بے شمار چیزوں پر پڑتی ہے جو مکدر ہیں اُن پر صرف دھوپ دکھائی دیتی ہے جو صاف ہیں اُن میں خود آفتاب نظر آتا ہے۔ اب چیزوں پر خیال کرو تو جا بجا دھوپ اور لاکھوں آفتاب ہیں با ایں ہمہ نیر اعظم واحد و لاشریک ہے ؎

تفرقہ در روح حیوانی بود	روم	نفس واحد روح انسانی بود
مفترق شد آفتاب جانِ ما		در درونِ روزنِ ابدانِ ما

قلب

ماد رو ہا یاد اصل خلق اوست	روم	اے خنک آنکس کہ دل دانذ پوست

جیسے روح ذات کا آئینہ ہے ایسے ہی قلب اسماو صفات کا آئینہ ہے جو تجلی روح میں مجمل ہے وہ قلب میں مفصل ہے۔ پس قلب بھی روح کی طرح عالم بے پایاں بے حد و بے جہت اور لامکاں ہے۔

ارض و سما کہاں تیری وسعت کو پا سکے		میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

قلب کی اصل تو عالم امر ہے مگر اُس کا سایہ عالمِ خلق ہے۔ جو کچھ قلب میں موجود ہے اُسی کا نمونہ عقلی اور نفسانی قوتوں کے امتزاج سے خلق کی صورت میں ظہور کرتا اور بذریعہ حواس کے معلوم و محسوس ہوتا ہے۔ ورنہ یہ گوناگوں صورتیں معدوم محض ہیں اسی سبب سے خلق کو نمود بے بود یا ہستئ موہوم کہتے ہیں خیر سایہ کہو یا ہستئ موہوم سمجھو مگر وہ باطل و بے کار نہیں ہے۔ بلکہ ان معدوم صورتوں میں اسماو صفات الہٰی کے آثار و افعال نمایاں ہو رہے ہیں۔ جو نافہموں اور ظاہر بینوں کے لئے حجاب حقیقت ہیں اور ارباب فہم و نظر کے لئے واسطۂ انکشاف ذات ہیں۔ ع

زانکہ سالک بحقیقت رسد از راہِ مجاز

وہ ان سے ذات کا سراغ یوں لگاتے ہیں جیسے زیور سے طلا کا۔ کوزہ سے گل کا۔ بو سے گل کا۔ شجر سے تخم کا۔ اور شعاع سے آفتاب کا ؎

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا	غالب	یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

عالم خلق کی نمود کے لئے نفس بجائے ماں کے اور عقل بمنزلہ باپ کے ہے نفس ہمیشہ اُن خواہشوں میں مشغول رہتا ہے جو محسوسات کے متعلق ہیں۔ جب اُس کی کشش غالب ہوتی ہے تو وہ قلب کو بھی اپنا ہمرنگ بنالیتا ہے یہی موجب رنج والم ہے عقل کو محسوسات سے حظ نہیں آتا بلکہ وہ معقولات پر فریفتہ رہتی ہے جب اُس کی قوت زبردست ہوتی ہے تو قلب کو وہ اپنا ہم مشرب بنالیتی ہے اور تصورات و تخیلات کا مزہ چکھاتی ہے یہی باعث انبساط و سرور ہے لیکن قلب کے لئے رنج و راحت دونوں زنجیریں ہیں جو اُس کو عالم خلق کے جلس بیجا میں رکھتی ہیں ؎

جبر پیلے را بر استوں بستۂ	روم	پر و بال شہ را بصد جان خستۂ

جب وہ ان دونوں پھندوں سے رہائی پاتا ہے تو اس کو نجات ابدی حاصل ہوتی ہے اور وہ اپنی اصل یعنی روح سے جا ملتا ہے اور تجلیات الٰہی کا آئینہ بن جاتا ہے اُس وقت وہ اپنے آپ کو عین حق دیکھتا اور انا الحق کا نعرہ

بلکہ نکتا ہوا نور انا اللہ کا شعور رکھتا ہے۔

قائم اکبر کہ ہستے وے ہوا	عطار	من ندا ایم من ندا یم من خدا

یہ ظل قلب ہی موجب سنگاری ہے اور وہی باعث گرفتاری۔ اگر اس ہستی موہوم کے جال میں پھنس گیا جو خود اسی کا بنایا ہے تو وہ گورستان تاریک و تار بنتا ہے اور اگر اس جال کو توڑ کر اڑ گیا اور روح قدسی سے وصل ہو گیا تو وہی بہشت جاودانی اور دیدار الٰہی ہے۔

تو ہمی گوئی مرا دل نیز ہست	رومی	دل فراز عرش باشد نے بہ پست
زیر جسم بین دل گور بنمر ترا		آخر از گور دل خود بر تر آ
دل نباشد غیر آں دریائے نور		دل نظر گاہ خدا وانگاہ کور

روح اس ہستی موہوم سے بیزار ہے مگر نفس اس پر فریفتہ ہے اور قلب ان دونوں کے درمیان میں ہے جس کا غلبہ ہوتا ہے اسی کا ساتھ دیتا ہے۔

نفس کل

نفس کل روح اعظم کا نتیجہ ہے جو فیض روح کو ذات پاک سے پہونچتا ہے اس کو نفس قبول کر لیتا ہے اور اس کی تفصیل کا عمل کرتا ہے اور تمام کائنات روح و نفس کے ملاپ سے پیدا ہوتی ہے اور ان دونوں کے درمیان میں قلب

متوسط ہے مگر قلب مثل روح کے عالم امر سے ہے اور نفس عالم خلق سے ہے اور نفس
کل کا اثر تو انسان میں نفس جزوی ہے جس کو نفس ناطقہ انسانی کہتے ہیں
اور وہ خلاصہ ہے روح حیوانی و طبعی کا جو ترکیب عنصری سے پیدا
ہوتی ہیں غرض اوصاف حمیدہ کا سرچشمہ روح ہے اور اوصاف ذمیمہ کا منبع نفس ہے
ابتدا میں وہ خواہشات و لذات حسی کا پابند ہوتا ہے اور ہر دم افعال بد کا
حکم دیتا ہے اس حالت میں اُس کا نام نفس امّارہ ہے مگر جب تہذیب
پاتا ہے تو بدی کے میلان سے نفرت کرنے لگتا ہے اور اپنے آپ کو خود ملامت
کرتا ہے اس حالت میں اُس کا نام لوّامہ ہے جب تہذیب میں کامل ہو جاتا
تو اوصاف بد سے بالکل پاک و صاف رہتا ہے اس وقت اس کا نام مطمئنہ ہے
اور اُس سے ہمیشہ افعال نیک ہی سرزد ہوتے ہیں پس نفس مطمئنہ قلب کا
قائم مقام بنجاتا ہے اور قلب روح کے مقام میں ترقی کرتا ہے اس حالت کا
نام نفس کا مرجانا ہے

ہر کہ در ماند زبون او نفس گبر	مرورا فرمان برد خورشید و ابر

تمہید روح شناسی

تو نمی دانی کہ اصل کیستی	روم	جہد کن چنداں کہ دانی چیستی

جان جملہ علمہا این است این		کہ بدانی من کیم در یوم دین

ہر شے میں تین باتیں پائی جاتی ہیں۔ صورت۔ روح حقیقت۔ یہی تینوں انسان میں ہیں۔ اُس کی صورت جسم ہے جو خلاصہ ہے عالم ناسوت کا اُس کی روح خلاصہ ہے عالم ملکوت کا۔ اس کی حقیقت صفات وذات حق ہے جو اصل ہے جبروت ولاہوت کی غرض انسان جملہ مراتب ظہور کا مظہر اتم ہے اور اُس میں سب عالم جمع ہیں۔ لہذا وہ ان عالموں کی حقیقت کے ادراک کا ملکہ رکھتا ہے مگر یہ ملکہ ہر ایک میں یکساں نہیں بلکہ افراد انسان میں اُس کے مدارج نہایت مختلف ہیں۔ کسی میں وہ ملکہ ایسا پُرزور کہ نہ اُستاد کی حاجت نہ رہبر کی ضرورت ذات حق کے سوا کوئی اُس کا ہادی نہیں بنا۔ بلا توسط مبدء فیاض سے وہ فیض پہونچا کہ عالم ناسوت میں لاہوت تک کی سیر کی اور اس مسلک کے تمام منازل ومقامات سے بخوبی واقف ہوگیا۔ کسی میں ملکہ اتنا قوی نہ ہوا تو اُس نے اُن کاملوں کے ارشاد کی پیروی کی اور اُن کی اطاعت سے منزل مقصود تک پہونچا اسی طرح چراغ سے چراغ روشن ہوتا گیا۔ مولوی معنوی۔

ہیں کہ اسرافیل وقت اند اولیا		مردہ را زیشاں حیات ست وبہا
جانہائے مردہ اندر گور تن		بر جہد ز آواز شاں اندر کفن

شیخ فعال است بے آلت چو حق	با مریداں دادہ بے گفتے سبق
اندریں یم ماہیانِ پر فن اند	مار را از سحر ماہی مے کنند
ماہیانِ قعر دریائے جلال	بحر شاں آموختہ سحر حلال

غرض منزل مقصود پر پہونچنے کے لئے سب سے افضل طریقہ کل عالم کے بزرگ پیشوا و اولیا نے بالاتفاق یہ بتایا ہے کہ اوّل توحید کو جانے پھر اپنے آپ کو پہچانے توحید کا جاننا اس لئے شرط ہے کہ ذات واحد کا ظہور بغیر کثرت کے ممکن نہیں اور کثرت میں ہر ایک مظہر کو دوسرے سے اختلاف ہے۔ پس جو شخص کسی مظہر خاص کا معتقد ہوگا تو وہ دوسرے مظاہر سے ناخوش ہوگا اور تکلیف پائیگا برخلاف اس کے جو توحید میں پختہ ہوگا وہ ہر ایک مظہر میں ذات واحد کو جلوہ فرما دیکھیگا۔ بلا ہو یا عیش۔ نور ہو یا ظلمت۔ بھلائی ہو یا برائی غرض کسی شان و لباس میں اس کو غیر کا دھوکا نہ ہوگا۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش	کہ من آں قد موزوں را شناسم

اس لئے اُس کی راہ میں کوئی مزاحم نہیں ہو سکتا ہر طرف اُس کے لئے راہ طلب کشادہ ہے ع جائے کہ می رود ہمہ ملکِ خدائے اوست

اپنے آپ کو پہچاننا اس لئے شرط ہے کہ عالم ظہور میں جتنے مظاہر ہیں کیا ملک

کیا فلک کیا حیوان کیا نبات کیا جماد خاص خاص صفات کے مظہر ہیں صرف انسان ہی ایسا وجود ہے جو جمیع صفات و اسمائے الٰہی کا مظہر کامل ہے ۔

آدم اصطرلاب گردون علوست	روم	وصف آدم مظہر آیات اوست

اب جو کامل کو چھوڑ کر ناقص مظاہر میں اُس کو تلاش کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ گمراہی میں پڑتا ہے ۔ سعدی

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی		کیں رہ کہ تو می روی بہ ترکستان است

مگر کسی چیز کا علم حاصل کرنے کے لئے یہ ضرور ہے کہ کچھ کیفیت اُس کی پہلے سے معلوم ہو جائے۔

کیفیت توحید

یعنی ذات واحد کو جو کثرت میں جلوہ گر ہے ایک جانے اور ہر شئے کو حق کی طرف سے سمجھے اور اُسی کا محکوم مانے۔ وسائل و اسباب پر نہ ڈالے بلکہ دوسرے کا خیال ہی دل میں نہ لائے

ہر چیزے تو منگر تا توانی	عطار	خدا را بیں تو از رہ معانی

شناخت

یہ ہے کہ نہ کسی کا شکوہ کرے نہ کسی پر غصہ۔ نہ تعلق نہ بے تعلقی۔ ورنہ کتے سے بدتر ہے کیونکہ وہ مارنے والے پر دوڑتا ہے نہ کہ لاٹھی اور پتھر پر ۔ واعظ

درخاطرِ شاں ز خاص و ز عام		یکساں شدہ آفریں و دشنام
چوں نیک و بد از خدا ے دیدند		رد از ہمہ خلق در کشیدند

اگر کسی سے نفع پہونچے تو اُس کو بھی من جانب حق سمجھے نہ اس شخص سے رغبت ہو نہ نفرت۔ نہ کسی سے مدد چاہیے نہ توقع رکھے ۔۔ مولوی معنوی۔

من نخواہم لطف حق از واسطہ		کہ ہلاک خلق شد زیں رابطہ

جب دل میں وحدت سما جائیگی تو دوئی دور ہو جائیگی اور خیال غیر سے دل صاف ہو جائے گا اُس وقت وہ رموز منکشف ہونے لگیں گے جو پہلے تصور میں بھی نہ گذرتے تھے ۔۔ معنوی

ہر کرا باشد ز سینہ فتح باب		او ز ہر ذرہ بہ بیند آفتاب

جب یہ علم پختہ ہو جاتا ہے تو یقین کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے اس کے بعد دید کی آرزو پیدا ہوتی ہے۔

مجاہدہ

باچناں رحمت کہ دارد شاہِ ہُش	روم	بے ضرورت چوں بگوید نفس کُش

دید و یافت کے لئے مجاہدہ لابد ہے کیونکہ مشاہدہ بے مجاہدہ محال ہے۔ دودھ سے مکھن۔ سنگ سے لعل۔ زمیں سے پانی بے محنت نہیں نکل سکتا۔ مولوی معنوی

ہیچو چہ کن خاک مے کن گر کسی		زین تنِ خاکی کہ در آبے رسی

اس لئے طالب کو چاہئے کہ اوّل علایق دینوی مثلاً فکر اہل وعیال. اندیشۂ زر و مال حُب جاہ وحب وطن وغیرہ سے قلب کو خالی اور حواس ظاہر و باطن کو جمع کرکے یکسوئی حاصل کرے۔

حواس ظاہری کا روکنا تو گوشۂ تنہائی میں ممکن ہے۔ مگر باطنی کا مشکل ہے اس کے لئے ضرور ہے کہ کسی ذکر کی مشق یہانتک کرے کہ زبان سے گزر کر قلب سے جاری ہو۔ اور لفظ محو ہوکر معنی ہی معنی رہ جائیں۔

بے لب و بے حرف میگو نام رب	روم	پس ز جاں کن وصل جاناں را طلب
خویشتن عریاں کن از جملہ فضول		ترکِ خود کن تا کند رحمت نزول

اس مشق سے رحمت کاملہ کے قبول کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ اب رہی یہ بات کہ اُدھر سے جذب و کشش کب ہو اس کا مدار محض عنایت پر ہے۔

ایں خبر بعنایت ازل نیست	وعظ	اندانش و کوشش و عمل نیست

لیکن فتوحات غیبی کے انتظار اور نزول رحمت و عنایت کی امید میں اپنی کوشش کو کبھی ترک نہ کرے۔

زانکہ ترکِ کار خود نا سے بود	روم	نازکے درخور وجانباز سے بود

ایں خودی را خمچ کن اندر خدا	از خودی بگذر زمانے با خود آ
خویش را صافی کن از اوصاف خود	تا بہ بینی ذاتِ پاکِ صاف خود

حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے الہامات میں ہے کہ دانست کے بعد جس نے دید کا سوال کیا وہ محجوب ہے اور جس نے دید کو غیر دانست گمان کیا وہ مغرور و گمراہ ہے اور دانست کیا ہے؟ سب چیزوں سے نادان ہونا۔ بوعلی قلندر

ہست نادانی دریں رہ علم نیست	علم را بگذار نادانی یکے ست

فکرِ خود

اس باب میں فکر کرنا چاہئے کہ میں کون ہوں؟ اور میں کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ میں کوتاہ و دراز ہوں۔ میں سیاہ و سفید ہوں۔ لاغر و فربہ ہوں یعنی جسم کو اپنا آپا جاننا اور اُس کی صفات کو اپنی صفات ماننا جیسی برف اپنی صورت موہوم کو اصلی گمان کرے۔ یہ فکر ناقص کی ہے جو بہت بری ہے۔

۲۔ میں لطیف ہوں اور جسم سے جدا ہوں۔ جیسے برف اپنے آپ کو پانی سمجھے یہ فکر کاملین کی ہے اور بہت اچھی ہے۔

۳۔ میں ذاتِ مطلق ہوں کُل میں موجود ہوں جیسے برف آپ کو دریائے بیکراں سمجھے یہ فکر اکملین کی ہے اور نہایت خوب ہے۔

ہم ہیں نہ وہ ہوں نہ یہ ہوں تصور سے آزاد اور فکر سے پاک ہوں تو ہم سبحان اللہ وبحمدہ

پاک گردد دل اگر از جہل و فکر	قطعہ	حق شود مشہود غیر از فکر و ذکر
عارفاں ہستند اینجا بے نشاں		بے بصر بے سمع بے حس بے زباں

قلب سے خطاب

(۱)

گر تو خود را پیش و پس کردی گماں	روم	بستۂ جسمی و محرومی ز جاں
زیر و بالا پیش و پس وصفِ تن است		بے جہت آں ذاتِ جانِ روشن است
برگشا از نورِ پاکِ شہ نظر		تا نپنداری تو چوں کوتہ نظر
کہ ہمینی در غم و شادی و بس		اے عدم کو مر عدم را پیش و پس
از غم و غم ہا بمیرد ایں چراغ		از غم و شادی نمیرد اینت لاغ
درمیانِ ایں دو مرگ او زندہ است	ر	ایں مطوق شکل جائے خندہ است

اس دو گز کے خاکی پتلے کو یہ جاننا کہ میں ہوں یا اس کے حواس و خواص کو یہ سمجھنا کہ میرے ہیں سخت نادانی ہے۔ یہ تو آج ہے کل نہ ہوگا جیسے اس جسم کا سایہ روشنی میں ہے اندھیرے میں ندارد۔ پس تو اس کو چھوڑ اور اپنی اصل و حقیقت کو تلاش کر جو اس سے برتر و پاک تر ہے۔

کار خود کن کار بیگانہ مکن	روم	بر زمین دیگراں خانہ مکن
کیست بیگانہ تن خاکی تو		کز برائے اوست غمناکی تو

غور کرو کہ یہ جسم کہاں سے آیا کہاں جائیگا؟ اور اُس پر یہاں کیا گزری؟ وہ عدم سے آیا اور وہیں اُس کی بازگشت ہے۔ جو حالت وحیثیت اُس کی اب ہے نہ پہلے تھی نہ آیندہ رہیگی۔ ظاہر ہے اُس کے آنے کا سبب والدین ہوئے جن کے اوپر کی نسلوں کا سُراغ نہیں ملتا غرض جسم کا خاکہ تو اِس پیچ در پیچ سلسلے سے کھنچا جس کی بنا ایک قطرۂ آب سے شروع ہوئی اور غذاؤں ناپاک سے ملی

پیدائش

ہمہ تن غلیظ و ناپاک گریہ وزاری کرتا شکم مادر سے اس جہان میں آیا اور زمانہ کا تختۂ مشق بنا اور طرح طرح کی احتیاجوں میں پھنسا سردی کی ٹھٹھر نے ستایا۔ گرمی کی تپش نے جلایا۔ برسات کی اُمس نے پگھلایا۔ ہوا بند ہوئی تو دم ناک میں آیا۔ غذا نہ ملی تو جی گھبرایا۔ ساری ان تکلیفوں سے بچنے اور ضرورتوں کے رفع کرنے میں سر کھپایا اور محنت اُٹھاتا رہا۔

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے	ذوق	
ہم تو اِس جینے کے ہاتھوں مر چلے		

طفلی

بے فکری اور محتاجی کے عالم میں بسر ہوئی ماں باپ نے جو کھلایا سو کھایا۔ جو پہنایا سو پہنا۔ نیند آئی تو سو رہے۔ جاگے تو کھیل کود میں مصروف ہوگئے۔ اتنا ہوش کہاں تھا کہ بُرا بھلا سمجھتے۔

جوانی

وہ تو دیوانی مشہور ہی ہے۔ بالکل جذبات کی پریشانی میں گزری اُس کے نشہ نے اجازت نہ دی کہ زمانہ کے نشیب و فراز سے تجربہ حاصل کرتے۔ حضرت شیفتہ

یہ ہے نصیحت پیرانِ کار اُفتادہ	شیفتہ	کہ بد بلا ہے جوانی بچو جوانی سے

پیری

یا جوانی کی یا اخیر ہوئے	میر	ہم جو پیدا ہوئے تو پیر ہوئے

بے اعتدالیوں کے باعث وقت سے پہلے پیری نے آدبایا۔ قوت گھٹی ضعف بڑھا۔ امید زندگی منقطع ہوئی۔ وہ بیوفا حواس جن کے غرے کے لئے جوانی کھوئی کج ادائی کرنے لگے۔ بینائی نے آنکھ چُرائی۔ سفید و سیاہ کی تمیز نہ رہی۔ قوت شامہ بھی نکتوڑے کرنے لگی۔ اب خوشبو بدبو کیسی دونوں یکساں ہیں۔ قوت سامعہ بھی آنا کانی کرنے لگی۔ اچھی بُری بات برابر ہوئی ذائقہ نے مُنہ بنایا نہ میٹھا بھاتا ہے

نہ سلونا۔ لامسہ بھی بے مس ہوگئی سختی نرمی محسوس نہیں ہوتی۔ باصرہ میں کمی
ہوگئی سمع میں فرق آگیا۔ قویٰ مضمحل اور ہوش مختل ہوئے عقل میں فتور پڑا نسیان کا
غلبہ ہوا۔ اعضا نے بھی جواب دیا کوئی ٹھکانے نہیں رہا۔ ہاتھ رعشہ سے کانپتے ہیں
تو پانوں چلنے میں لڑکھڑاتے ہیں چہرہ پر جھریاں پڑ گئیں تیر سا قد
کمان بن گیا۔ اُمنگیں دل میں بہت آئیں مگر ضعف کے سبب
کوئی بر نہ آئی۔ ع

عمر ضائع سعی باطل راہ دور

اس سے مزاج اور بھی چڑچڑا ہوگیا غصہ بڑھا زبان کھلی اپنوں کو رنج ہوا
اس درماندگی میں زندگانی وبال جان ہوگئی ۔ نظم

غلط کار تھی یہ ہماری نظر — کہ ہم اپنی کوشش کا سمجھے اثر
ہمارے تشخص نے کھویا ہمیں — ہماری خودی نے ڈبویا ہمیں
تردد میں غوطے لگایا کئے — اسی فکر میں سر کھپایا کئے
ہوا ہم کو دیوانگی کا خلل — یہ تھوڑی سی فرصت یہ طولِ امل
یہ دنیا کے دھندے معیشت کا غم — یہ دولت کے پھندے یہ جاہ و حشم
یہ خواہش کے جذبے یہ راحت کی چاہ — ہمارے لئے بن گئے سنگ راہ

یہیں وہم نے سخت دھوکا دیا
نہ کرنا تھا جو کام ہم نے کیا

یہ دنیا کے دھوکے کی ٹٹی ہے سب
ہمیشہ رہی ہم کو اس کی طلب

دئے بے بہا لعل ہم نے فضول
عوض میں لیا کیا ہی خاک دھول

کٹی عمر غفلت میں اپنی تمام
آگیا دن گزر ہونے آئی ہے شام

بیماری

ایسی حالت میں بیماری کا سامنا ہوا تو بلا کی مصیبتیں جھیلنی پڑی رہی سہی طاقت نے ایک دن کے بخار میں جواب دیا۔ صورت تو پہلے ہی بے رونق تھی۔ ایک رات کے تپ میں اتنا سا منہ نکل آیا۔ درد سر نے ایسا سر اٹھایا کہ سر اٹھانا مشکل ہوا۔ ناتوانی ایسی بڑھی کہ کروٹ لینی دشوار ہوگئی ہر چیز کی احتیاج اور خود درماندہ حال ہو تو کیونکر ہو۔ اس محتاجی اور بے بسی نے جو رنج دیا اُس کا صدمہ بیماری سے کہیں زیادہ ہوا۔ یگانوں بیگانوں نے منہ موڑا یار و آشنا نے ساتھ چھوڑا عزیز و اقارب خدمت سے اکتا گئے۔ اوپر والے جہگیری سے گھبرا گئے۔ دعائیں مانگتے ہیں کہ کہیں جلدی جھگڑا چکے۔ زندگی کی سرگزشت تو درد انگیز تھی ہی یہ آخری وقت اور بھی عبرت خیز ہوا ؎

ہنگامہ گرم ہستی ناپائدار کا | ذوق | چشمک ہے برق کی کہ تبسم شرار کا

مردہ جسم

(۱) وہ جسم جس کی حفاظت و آسائش میں تمام عمر بسر کی دم نکلتے ہی ایسا بھاری پڑا کہ لحظہ بھر رکھنے کا کوئی روادار نہ ہوا۔ یا تو زمین میں دبا کر خاک میں ملایا۔ یا دہکتی آگ میں جلا کر ہوا میں اُڑایا۔

(۲) وہ جسم جو اکیلے گھر میں اندھیرے سے ڈرتا۔ آندھی سے گھبراتا۔ بارش سے بچتا۔ گرج سے سہم جاتا تھا اب تن تنہا گورِ تنگ و تار میں پڑا ہے سنسان رات ہے چٹیل میدان ہے گھٹا کی تاریکی بجلی کی چمک۔ برسات کی جھڑیاں جاڑے کی مہاوٹیں۔ آندھی کے جھوکے ہول کے سناٹے سہ رہا ہے اور اُف نہیں کر سکتا۔

(۳) وہ جسم جس کو علم کا غرور۔ ہنر کا تکبر۔ حکمت کا گھمنڈ تھا اب نہ علم نے مدد کی نہ حکمت ساتھ چلی نہ ہنر نے کام دیا۔ سب خاک میں مل گئے۔ زار و نزار۔ ذلیل و خوار بے یار و مددگار بے ہوش و بے خبر خاموش پڑا ہے۔

(۴) وہ جسم جس کو تاج و تخت کا۔ بہت سے ملکوں کا۔ بے شمار چیزوں کا دعویٰ تھا اب دو ڈھائی گز زمین اور چار پانچ گز کپڑے کے سوا کچھ بھی اپنے ساتھ نہ لے جا سکا۔

(۵) وہ جسم جو نشۂ حکومت میں سرمست اور بادۂ دولت سے سرشار تھا جس کو کسی کے آگے سر جھکانا یا زمین پر قدم رکھنا ناگوار تھا اب نقش پا کی طرح ایک جہان کی روندن میں آرہا ہے اور کسی کا کچھ نہیں کر سکتا۔

(۶) وہ جسم جس کو ذرہ بار کی تاب یا گرد و غبار کی سہار نہ تھی اب اُس کی چھاتی پر منوں مٹی کا ڈھیر پڑا ہے۔

(۷) وہ جسم جو گل سے زیادہ نازک اور نسیم و صبا کے چھونے سے میلا ہوتا تھا جس کو پھولوں کی سیج پر کل پڑتی تھی اب اُس کو نہ تکیہ میسر ہے نہ بستر فرش خاک ہے اور کنکر پتھر۔

(۸) وہ جسم جو قصر شاہانہ اور ایوان زرنگار کو اپنے آرام کے لئے کافی نہ سمجھتا تھا اب اس کو خاک ہو کر دوسروں کا خشت مزار بننا پڑا۔

(۹) وہ جسم جس کے ہوش و حواس ایسے سانحے سنکر بجا نہ رہتے تھے اب اُس پر واقعات گزر رہے ہیں اور وہ دم نہیں مار سکتا۔

آخری گت

انجام کار اگر دفن کیا گیا تو سڑ کر کیڑوں کی غذا بنا اگر جلایا گیا تو خاک سیاہ ہو کر برباد ہوا۔ اور جو اِن دونوں صورتوں سے کوئی نصیب ہوئی تو جانوروں نے نکا دی یا

گر مبان مشک تن را جا شود	روم	روز مردن گند او پیدا شود

قید دائمی

اِن ساری مصیبتوں کے علاوہ ابتدا سے انتہا تک ہمیشہ قید میں کٹی کبھی آزادی نصیب نہ ہوئی۔ ولادت کا آغاز زندان رحم میں ہوا۔ وہاں سے چھٹا تو آغوش دایہ میں گرفتار ہوا یہاں سے رہائی ملی تو اُستاد کی حوالات میں بند ہوا۔ یہاں سے جان بچی تو آداب و مراسم کی قید۔ قانون سلطنت کی قید۔ احکام مذہب کی قید۔ ان قیدوں میں ایسا پھنسا کہ مرتے دم تک چھٹکارا نصیب نہ ہوا آخر کار قبر میں دایم الحبس کیا گیا۔

تاثیر صحبت

جسم کی خود تو یہ دُرگت ہوئی۔ اب اُس کی صحبت کا اثر سنئے لباس نے مصاحبت اختیار کی تو بو آنے لگی میلا کچیلا ہو گیا۔ غذا نے رفاقت کی تو پلید و نجس ہو کر جدا ہوئی۔ ہوا مُنہ میں گئی تو خراب ہو کر نکلی۔ پانی پیٹ میں گیا تو ناپاک ہو کر واپس آیا۔ غرض جس کا حال وہ ہوا اور صحبت کا اثر یہ ہوا۔ اُس پر جان دینا اور اُس کو اپنا آپا ماننا دیدہ و دانستہ دوسرے کی بلا اپنے سر لینا اور مفت عذاب میں پھنسنا ہے ؎ مولوی معنوی

چوں زرہ داں ایں تنِ پرحیف را	روم	نے شتا را شاید و نے صیف را
اے تنِ ناکارہ ترکِ من بگو		عمرِ من بُردی کسے دیگر بجو

خطبہ (۲)

یہ علم کہ میں جسم ہوں محض دھوکا ہے۔ کیونکہ جسم کثیف گوشت و پوست سے بنا ہے جو بے شعور مقید و محتاج و حادث ہے۔ اور تُو نور لطیف صاحب شعور آزاد و مستغنی و قدیم ہے ؎

اصلِ تو نباشد از عناصر	وعظ	اے از تو زبانِ خلق قاصر

غلط فہمی

تمہیں اور جسم خاکی میں مناسبت کیا ہے؟ دیکھنا باصرہ کا۔ سننا سامعہ کا۔ سونگھنا شامہ کا کام ہے۔ یہ حواس تو حسب فطرت اپنا اپنا کام کر رہے ہیں ایک دوسرے کے کام میں مطلق دخل نہیں دیتا۔ پھر ان میں سے تیرا کون سا کام ہے تو غلط فہمی سے اُن کے کام کو اپنے کام جانتا ہے۔ اس لئے رنج و راحت میں مبتلا ہوتا ہے حالانکہ تیرا تعلق صرف اتنا ہے کہ اُن کی مدد کرے۔

در غورِ نظر از حواس کردی	وعظ	حیوانی اگر قیاس کردی
عالم ز حضورِ تست حیراں		اما چو غافلی چہ درماں

جسم کو جوانی نے بڑھایا پیری نے گھٹایا۔ فالج نے مارا۔ لقوے نے ستایا۔ بصارت وسماعت نے جواب دیا۔ اب غور کرو کہ ان تغیرات سے اصل زندگی میں کیا فرق آیا؟ تو ہر وقت اور حالت میں جیسا تھا ویسا ہی رہا۔

تو از اں بگزشتہ کز مرگِ تن		ترسی از تفریق اجزائے بدن

پھر جسم کی معدومی یا اُس کی خواہشوں کے بر نہ آنے سے تیرا کیا بگڑا جو رنجیدہ ہوتا ہے۔ ہاں تو اپنے وہم میں آپ مبتلا ہے جیسے عنکبوت اپنے جالے میں۔

دست داری در بنِ کاہِ خودی	شاہ حمزہ	کے رہائی یابی از چاہ خودی

تعجب ہے جہاں سے آیا اور جہاں جائیگا اُسے عدم جانتا اور جہاں حباب وار ایک دم کا مہماں ہے اُسے موجود مانتا ہے۔

نیست را بنمود ہست آں محتشم	روم	ہست را بنمود بر شکل عدم
آفریں اے اوستادِ سحر باف		کہ نمودی معرضاں را در وصاف

تعلیم فنا

فانی شو اگر بقات باید	واعظ	بگذر ز خود از خدات باید
تا از تو بود ترا گرانی		در اسفلِ سافلیں بمانی

جس جسم کی بدولت تو اس چکر میں آرہا ہے وہ خود زبانِ حال سے کہتا ہے

کہ دیکھ میرا نیچے کا حصہ بشکل (لا) بنا ہے اور اوپر کا حصہ اُس (للہ) پر قائم ہے پس میری مجموعی ہیئت فنا پہ دلالت کرتی ہے۔ اور خود میری حالت گواہ ہے کہ جو طفلی میں تھا جوانی میں نہ رہا اور جو جوانی میں ہوں پیری میں نہ ہونگا۔

استقامت ہیں پیغام سفر دیتی ہے	ذوق	زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے

اور جسم سے بڑھکر اُس کے حواس تجھے آگاہ کر رہے ہیں کہ نیستی کا طالب ہو کیونکہ طلب اُسی چیز کی ہوتی ہے چنانچہ حواس اُنہیں چیزوں کو ڈھونڈھتے ہیں جن کو نہیں پاتے ہے

مرد کارندہ کہ انبارش تہی است	رومؒ	شاد و خوش نے برامید نیستی است
کہ بروید آں ز سوئے نیستی		فہم کن گر واقف معنیستی

اگرچہ تجھ کو فنا کی تعلیم صاف صاف ہو رہی ہے ع

پرتو خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم

گر تو اپنے آپے میں ایسا گرفتار ہے کہ کسی کی بات پر کان نہیں دھرتا اور اپنی جسمی حالت میں ایسا پھنسا ہے کہ پہلی حالت کے تصور سے ڈرتا اور اُس کی طلب سے جھجکتا ہے رومؒ

ہمچو آں ہندو بچہ اے خواجہ تاش		روز محمود عدم ترساں مباش

از وجود سے ترس کا کنوں در دوئی	آں خیالات لاشئے و تو لاشئی

اور کچھ نہیں سمجھتا کہ فنا میں کیا خوبی ہے سے مولوی معنوی

از جمادی مُردم و نامی شدم	وز نما مُردم بہ حیواں سر زدم
مُردم از حیوانی و آدم شدم	پس چہ ترسم کے ز مُردن کم شدم
حملۂ دیگر بمیرم از بشر	تا برآرم از ملائک بال و پر
از ملک ہم بایدم جستن ز جو	کُل شیئٍ ہالک الا وجہہٗ
بار دیگر از ملک قربان شوم	آنچہ در وہم نیاید آں شوم
پس عدم گردم عدم چوں ارغنوں	گویدم کانا الیہ راجعون

طفل نوزاد تنگنائے رحم مادر سے اس جہان میں آتے ہوئے روتا ہے کیونکہ اُس کو اس جہان کی وسعت و فراخی کا علم نہیں ہوتا ایسے ہی تو نادانی سے مبتلائے وہم ہو کر اُس عالم کی فضا کو فراموش کر بیٹھا اور وہاں جاتے ہوئے ڈرتا ہے سے رومؒ

ترس و لرزہ باشد از غیر یقیں	ہیچکس از خود نترسد اے حزیں
آں توئی کہ بے بدن داری بدن	پس مترس از جسم جاں بیروں شدن
روح داری بے بدن بس کار و بار	مرغ باشد در قفس بس بیقرار

باش تا مرغ از قفس آید بروں | تا بہ بینی ہفت چرخ او راز بوں

مبتلائے وہم

حواس باطنی میں سے ایک حس وہم بھی ہے اُس کا کام یہ ہے کہ اُن اشیا سے جو پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں معنی جدید پیدا کرے چنانچہ اس عالم کثرت کو جس کے لباس میں ذات واحد ظاہر ہے غیر سمجھتا اور ذات کو اُس سے جُدا تلاش کرتا ہے مگر جب وہم دور ہوتا ہے تو کہتا ہے ؎

من نیم ہا ہیچ ذات اوست ہمہ | ہر دو عالم صفات اوست ہمہ

آہ! وہم و پندار نے ذات سے بیگانہ بنا رکھا ہے ؎ میر

وہ کسی سے نہیں ہے بے گانہ | میر | پر کوئی آشنا نہیں اُس سے

تو حجاب و پردۂ خود خود بدی | قلندر | چوں بجائے خود رسیدی خود شدی

ہا ہیچ گم ناکردہ می جوئی مدام | غافلی از خود چہ گویم والسلام

اگر حقیقت حال عقل میں نہ آئی اور جسم کو مستقل جانا اور خواہشوں کے پورا کرنے میں لگا رہا تو آخر یکایک ایک دن وہ فنا ہو جائے گا اور تو اُس کی معدومی اور خواہشوں کی محرومی سے ضرور مبتلائے عذاب ہو گا ؎ اعلم

تو ہُم نے رستہ بھلایا ہمیں | کہ فانی کو باقی دکھایا ہمیں

یہ اُستاد کامل کی کاری گری	کہ خالی تھی مٹھی دکھا دی بھری
پڑے بے خبر ہائے سوتے رہے	عبث نقد اوقات کھوتے رہے
کھلا بھید ہم کو نہ اس بات کا	کہ ہے یہ تماشا طلسمات کا
نہ سمجھے کہ ہے شعبدہ یہ جہاں	نیا سانگ ہوتا ہے ہر دم یہاں
عدم نے مچائی عجب دھوم دھام	سفر کو سمجھنے لگے ہم قیام
یہ تھا مرحلہ جس کو سمجھے تھے گھر	مہیا کیا کچھ نہ زاد سفر
جسے اصل سمجھے تھے بے اصل تھا	جسے وصل سمجھے تھے وہ فصل تھا
جسے گل سمجھتے تھے نکلا وہ خار	خزاں بن کے آئی تھی شکل بہار

تدبیر رفع وہم

اندیشۂ غیر مختصر کن	واعظ	بنشین و درون خود سفر کن
خود را ز وجود خود جدا کن		یک لحظہ شمار خود رہا کن
گر باز رہی ازیں کمینت		تحقیق شود ترا معینت

اس بلائے جاں ستاں سے بچنے کے لئے اول اس طرف دل لگائے کہ جو ہماری شہ رگ سے زیادہ قریب ہے کسی وقت اور کسی حالت میں اُس کو ہم سے دوری نہ ہم کو اُس سے مجبوری هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ ــه

آنچہ حق است اقرب از حبل الورید	تو فگندی تیر فکرت را بعید
تیر و ترکش نہ و بنشین خموش	اے منت قرباں صلا ختم کن گوش

معنی لا الٰہ الا اللہ

لا الٰہ ماسوائے کی نفی۔ الا اللہ ذات کا اثبات یعنی غیر اللہ سے دل کو خالی اور یاد حق سے معمور کرنا اور عالم کو مثل لا کے دیکھنا اور سمجھنا کہ صورت میں موجود اور معنی میں نہیں جیسے لا کی شکل کا ظہور بے الف کے محال ہے اسی طرح عالم کی نمود بے ہستی ذات کے ناممکن ہے کیونکہ جو کچھ نظر آرہا ہے یا عقل وخیال میں سما رہا ہے واقع میں ذات یکتا کے صفات وافعال ہیں ورنہ وہ بذات خود ہیچ ولاشئے ہے۔

یا یوں سمجھنا چاہئے

کہ الا اللہ سے مراد ہے موجود حقیقی یعنی ذات یکتا جو عالم الوہیت ہے اور لا الٰہ سے مراد ہیں اس کی ایجاد کی ہوئی اشیا جو عالم عبودیت ہے اور یہ نیست ہست نما ہے اور دراصل فانی ومعدوم ہے کیونکہ ذات یکتا ہی نے ہر تعین میں متعین اور ہر قید میں مقید ہو کر مختلف نام پائے ہیں مگر اس اختلاف وکثرت سے ذات کی یکتائی میں کچھ فرق نہیں آیا جیسے آئینہ خانہ میں

جہاں مختلف رنگ و پیمانہ کے آئینے ہوں وہ ذات ناظر کو اپنے اپنے رنگ و پیمانہ پر دکھاتے ہیں مگر اس سے ناظر کی ذات میں کچھ تغیر نہیں آتا۔ اور وہ رنگوں اور پیمانوں سے پاک و صاف ہے۔ پس جب ذات یکتا قیود و تعینات سے پاک و مجرد ہوتی ہے تو اُس کو حق کہتے ہیں۔ اور قیود و تعینات کے لباس میں معلوم ہوتی ہے تو اُس کو عالم یا خلق بولتے ہیں یہاں سے معلوم ہوا کہ عالم کیا ہے؟ ظاہر حق۔ اور حق کیا ہے؟ باطن اور عالم قبل ظہور کیا تھا؟ عین حق۔ اور حق بعد ظہور کیا ہے؟ عین عالم غرض وہی ذات ہے جس کے یہ نام ہوئے اُس کے سوا کچھ نہیں وہی ظاہر وہی باطن وہی اول وہی آخر۔ باقی سب نسبتیں اور اعتبارات ہیں لیکن جو کوئی فرق مراتب نہ کرے اور عالم کو حق یا حق کو عالم کہے وہ زندیق و ملحد ہے۔ پس معنی لا الہ الا اللہ کے یہ ہوئے کہ سوائے ذات حق کے کچھ نہیں اور ما سوا یعنی ایجاد کی ہوئی اشیا سب فانی و ہالک ہیں۔ روم

گر ترا چشم است بکشا در نگر	بعد لا آخر چہ می ماند دگر

	تا نخوانی لا و الا اللہ را در نیابی منہج ایں راہ را	

قرب

جس نے فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ پر خیال جمایا اور باوجود کثرت کے اشیا کو ذات واحد سے جانا اور سمجھا اُس نے منزل قرب میں قدم رکھا۔ اور جس نے كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ کا یقین کیا اور چشم بصیرت و دید حال سے ذات واحد کے سوا کچھ نہ دیکھا اُس نے زمرۂ صدیقاں میں دم مارا ہے

ہالک آمد پیش وجہش ہست و نیست	رومؒ	ہستی اندر نیستی خود طرفہ ایست
پیش بے حد ہرچہ موجود ست لاست		کل شئی غیر وجہ اللہ فناست

وحدت

جب تعینات من و ما کا پردہ جو حجاب ذات ہو رہا تھا تجلی وحدت سے محو ہو گیا اور دوئی کا حجاب اُٹھ گیا تو اس حال کو فنائے نفس کہتے ہیں یعنی سالک اپنے نفس سے فنا ہو کر سوائے ذات واحد کے جو مرجع مصدر ہے کل شیا کی کسی کو نہیں دیکھتا اور اپنے حرکات و سکنات و کردار کو افعال ذات دیکھتا اور محلِ فعل فاعِل حقیقی سمجھتا ہے ۔ شاہ حمزہ صاحب

چوں بیاندازی نظر را سوے شے		در نظر آید خدا نے روے شے

اِس سے یہ غرض نہیں کہ جو کچھ نظر آ رہا ہے وہ دکھائی نہیں دیتا۔ بلکہ یہ ہی

صورتیں بدستور نظر آتی ہیں۔ لیکن ان کے معنی پہلے کچھ اور تھے پھر کچھ اور ہو جاتے ہیں
ان پڑھ کے نزدیک یہ تحریر سیاہ لکیریں ہیں۔ مگر پڑھا لکھا آدمی ان لکیروں کے
اندر کچھ اور ہی بہار دیکھتا ہے جیسے نابینا موتی کو سنگریزہ محسوس کرتا
اور بینا اُس میں آب و تاب مشاہدہ کرتا ہے۔ یا جیسے بے بصر قفس مرغ کو
مُرغ سمجھتا ہے اور صاحب بصارت مرغ کو قفس سے علحدہ دیکھتا ہے۔

رباعی

از ساحتِ دل غبار کثرت رُفتن	خوشتر کہ بہرزہ دُرِّ وحدت سُفتن
مغرور مشو کہ اصل توحیدِ خدا	واحد بدن بود نہ واحد گفتن

حالت سالک

جب سالک دائرۂ لا الٰہ سے گزر کر دائرہ الا اللہ پر پہونچتا ہے تو کہتا ہے
کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا وہ کہتا نہیں اور جو کہتا ہے وہ پہچانتا نہیں۔
حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ لوگ گناہ سے توبہ کرتے ہیں اور میں لا الٰہ الا اللہ کہنے سے
گروہ عامی کی نجات کے لئے صرف یومنون بالغیب اور پابندی اوامر و نواہی
کافی ہے مگر خواص اس سے گزر جاتے ہیں کفر و اسلام اُن کو تلاش کرتا ہے
اور پتا نہیں پاتا۔ جب تک سالک عالم شبہ و شک سے نہیں نکلتا نفس

ہمرنگ قلب اور قلب ہمرنگ روح نہیں ہوتا یہاں پہونچکر علم الیقین حاصل ہوتا ہے۔ اُس کے بعد عین الیقین کی دُھن لگتی ہے اور خیالات علمی صورت پکڑنے لگتے ہیں بعدہٗ حق الیقین کی منزل ہے ؎ روم

چوں رسی در منزلِ حق الیقین	سرّ او آو فے دریں منزل ببیں
لی مع اللہ را وصال اینجا بود	جملہ کامل را کمال اینجا بود

حضرت غوث الاعظمؓ کا ارشاد ہے کہ ناسوت شیطانِ سالک ہے اور ملکوت شیطانِ عارف اور جبروت شیطانِ واقف۔ اور جب تک سالک ظلال اسما یعنی صورِ محسوسات اور اعیان ممکنات کو فانی نہ جانے اور جسم کو لذت سے نفس کو شہوت سے۔ قلب کو خطرات سے اور روح کو زیست سے پاک صاف نہ کرے بارگاہ عظمت وجلال میں اُس کو بار نہیں ملتا ؎

ہیچکس را تا نہ گردد او فنا — نیست رہ در بارگاہِ کبریا

بلکہ تعینات اسمائی وصفاتی سے بھی گزر جائے چنانچہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے فرمایا ہے۔ وکمال الاخلاص نفی الصفات عنہ۔

پہلی مشق

لا الٰہ الا اللہ

لاالہ کل اشیائے جہاں ذات حق میں گم یعنی ذات حق کے سوا کچھ نہیں ع

ہمہ نیستند انچہ ہستی توئی

لاالله کل اشیائے جہاں میں ذات جلوہ گر ہے یعنی ذات کے سوا کچھ نہیں ع

بخدا غیر خدا در دو جہاں چیزے نیست

غرض اشیا کے ظاہر و باطن میں وہی جلوہ نما ہے اشیا کوئی چیز نہیں ع

بر عارفاں جز خدا ہیچ نیست

ہوالاول ہوالآخر ہوالظاہر ہوالباطن غرض جو کچھ کائنات میں نظر آئے یا عقل و تصور میں سمائے ایک ایک کی نفی کرے بعدہٗ جو باقی رہے اُس کو ذات حق یا اپنا آپا سمجھے مگر سمجھنا اور ہے دیکھنا اور پھر ہونا اور بات ہے ؎ شاہ حمزہ

از عرف رنبی بزنی رو بخویش	مذہب خود را گزیں در دین و کیش
پیش خود سجدہ نما ایماں بیار	رو خدا ئے را خدا بنود بکار

نتیجہ

یہاں سے ظاہر ہے کہ راہ حق طالب میں ہے نہ کہ اُس سے باہر۔ اُس کا مقصد اُسی میں ہے نہ کہ اسناد و کتاب میں ؎ مولوی معنوی

نیست بیروں از در تو ہر چہ ہست رومی	چند جوئی راہ حق بالا و پست

جاہدو فینا بگفت آں شہریار		جاہدو عنّا نگفت اے بیقرار
جمالِ بے نشاں داری تو دربر		حقیقت اوست درجانِ تو رہبر
تو خود بشناس و حق شو در حقیقت		بروں آ از ہوا و از طبیعت

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے یوں ارشاد فرمایا۔ اے میرے فرزند تیرا فکر تجھ میں کافی ہے تیرا ورد اور تیری دوا تجھی میں ہے۔ کوئی چیز تجھ سے باہر نہیں تو ام الکتاب ہے گو ظاہر میں تیرا جسم چھوٹا سا ہے مگر اس کے اندر بڑا جہان ہے۔

درد تو از تست و درماں ہم توئی	روم	خود عیاں گشتی و پنہاں ہم توئی
چوں ز خود آیات خود را بازیاب		در حقیقت خود توئی ام الکتاب

گر تو آدم زادۂ چوں او نشین
جملۂ ذرات را در خود ببیں

چیست اندر خُم کہ اندر بحر نیست	؏	چیست اندر خانہ کاندر شہر نیست
جوہر است انسان و چرخ او را عرض		جملہ فرع و سمایہ اند و تو غرض

کانچہ می جستی ز چرخ با نہیب
سر برآوردہ است اے موسیٰ ز جیب

دوسری مشق

اللہ

وہ گنج ذات کیا کچھ ہوگا یارب میں تو حیراں ہوں		حفاظت کے لئے جس پر طلسم دو جہاں باندھا
گر خدا گوئی خدا جوئی مکن		ورنہ می جوئی مخواں لفظِ کہن

اللہ جو حقیقت قلبیہ میں ظاہر ہوتا ہے اِس کو لفظ اللہ کا مدلول (معنی) سمجھے۔ تیرا جسم صورت ہے مظہر روح کی اور روح ہے صورت مظہر حق کی۔ پس صورت جسمانی و روحانی دونوں صرف خیال ہیں۔ اور وہ حقیقت جو اِن صورتوں میں جلوہ نما ہے اُس کی طرف متوجہ ہونے سے معلوم ہوگا کہ خود تو ہی ہے۔ حضرت عطار

خدا ایں خویشتن را خود مبیں تو	عطار	کہ تا گردی بکُل عین الیقیں تو
تو گر معشوق می جوئی تو اوئی		حقیقت آب در عین سبوئی
کعبہ کی نظر لگی تھی دروازہ حرم سے	میر	پردہ اُٹھا تو لڑیاں آنکھیں ہماری ہم سے

تیسری مشق

ہُو

مراقبہ معیت و میت و قرب و وحدت و کلیت و فنا و بقا وغیرہ بہت ہیں مگر سب کا لُب لباب یہ ہے کہ خیالات کو سب طرف سے جمع کر کے بے پلک

جھپکائے خلا میں تصور ھو کرے یعنی ظاہر و باطن پست و بلند ہر جگہ اور ہر وقت وہ ذات جلوہ گر ہے۔

الحاصل

اس تصور کی مشق یہانتک کرے کہ اُٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے۔ شادی و غم ہر وقت و ہر حالت میں بلا ارادہ و بلا خیال یہی تصور رہے۔ اس مشق سے نہ خودی باقی رہے گی نہ کسی کام کو اپنی طرف منسوب کریگا بلکہ سب ذاتِ حق سمجھے گا۔

تا نگردی قطرۂ دریا سے ہو	دُر وحدت را نیابی ہیچ رو

آثار رفع وہم

صد بار اگر نیست شود عالم ہست	واقف نہ شود کہ ہست عالم یا نیست

اگر دو جہان ذرہ ہائے شعاع کی مانند تلاطم میں آئیں اور قلب اپنی جگہ سے نہ ہلے تو یقین کرنا چاہئے کہ اب تعلقات وہمی سے پاک ہوا۔ اور مُوتُو قبل آن تموتو کی حالت نصیب ہوئی ورنہ یہ دعوی کہ جسمانی خواہشوں سے بری ہیں محض دھوکا ہے۔

تا کے بہ زباں خدا پرستی
ایں نیست مگر ہوا پرستی

خطاب (۳)

اے رند قلندر از کجائی	وعظ	سرگشتہ بہر درے چرائی
خواہی کہ سفر کنی قدم زن		لبیک زنان در حرم زن
گرچہ رہ بیم ناک داری		اللہ معک چہ باک داری

جب قلب سے ہیں تو اور میرا تیرا کا خیال مٹ گیا تو سمجھنا چاہئے کہ اب راہِ راست پر آگیا ہے

ہر کہ بے من شد ہمہ منہا دوست	روم	یار جملہ شد چو خود را نیست دوست

اس کے بعد جس طرف میلان باقی رہا ہو روکے اور اس خیال پر جمے کہ میں کل ہوں مجھ سے کیا ہے جو خواہش کروں۔ خواہش تو جواس کا خاصہ ہے جو میری مدد سے پیدا ہوئی ہے

میں اگر وہ ہوں جو ہونا چاہئے		میں ہی میں ہوں پھر مجھے کیا چاہئے

اس مشق سے دل کو صفائی حاصل ہوگی اور خطرے دور ہو کر حق ہی حق باقی رہ جائیگا۔

بگذر از صوت صدا جملہ ہوا ست	در تعلق با منہ جملہ خدا ست

حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے الہامات میں ہے کہ انسان کو میں نے اپنی ذات سے ظاہر کیا ہے وہ بذات خود کوئی چیز نہیں۔ اُس کے ہر قول و فعل

وحرکت میں پنہاں محرک میں ہوں میں ہر چیز کا ملجا و ماوا ہوں اور سب اشیا پر محیط۔ کل اشیا مجھ سے ہیں جو بذات خود فانی و ہیچ ہیں۔ کیونکہ جب تجلی رب کی مربوب پر ہوئی تو مربوب کہاں جیسے آفتاب کے مقابل چراغ کی کیا تاب جو ٹھہر سکے۔ یا نے نواز کے سامنے نے کا کیا حوصلہ جو دم مار سکے۔

دو دہاں داریم گویا ہم چو نے	روم	یک دہاں پنہاں ست در لبہاے وے
لیک داند ہر کہ او را منظر ست		کہ فغاں را ایں سری ہم زاں سر ست

خطرات کا آنا

صد سوال و صد جواب اندر دلت		مے رسد از لامکاں تا منزلت

دل میں خطروں کا آنا خاصیت ذاتی ہے اور ان کا روکنا جیسا کہ مشکل ہے ویسا ہی آساں بھی ہے۔ مشکل تو یوں ہے کہ آئے بغیر نہیں ہٹتے اور آسان یوں ہے کہ ما سوا کو اڑا کر ذات ہی کا تصور کرے ع

چو غیر نیست چرا رفع ایں غبار کنم

خیال کرے کہ جب ذات حق ہی سے قلب متحرک ہوتا ہے تو جو خطرے اس میں آتے ہیں وہ بھی ذات حق سے ہیں۔

ہر چہ آید در دلت بیجا بجا	تبریز	خوش بگو واللہ امرنا ہکذا

جملہ عالم را کلام اللہ داں | | خطرہ گر آید سلام اللہ داں

کیونکہ عالم نے ذات حق سے اسی طرح ظہور پکڑا ہے جیسے رنگوں نے آفتاب سے یعنی حق آفتاب ہے تو قلب نور شعاع اور عالم اس کا عکس جس میں بے شمار رنگ ظاہر ہیں۔ پس ان اوصاف گوناگوں میں وہی آفتاب ذات جلوہ گر ہے اس لئے جس نے اپنے آپ کو غیر سمجھا وہ ہستی وہمی میں گرفتار ہو گیا اور جس نے اپنی ذات کو عین حق جانا وہ خود کچھ نہ رہا وہم سے آزاد ہو گیا ؎

چوں ہمہ موجود از ذات خدا ست | قلندر | نے خدا باشد نہ از وے ہم جدا ست

پھر نہ اس کو اشیائے فانی سے دل بستگی رہے گی نہ تعینات پر نظر پڑے گی ذرا تامل سے دیکھو کہ یہ چیزیں جو نظر آرہی ہیں نہ پہلے تھیں نہ بعد میں رہیں گی۔ حال میں بھی نہیں۔ كُل شيئ هالك الا وجهه ؎

اول آخر توئی ما در میاں | روم | ہیچ ہیچے کہ نیاید در بیاں

پہلے بھی ذات حق تھی آخر میں بھی وہی رہے گی بیچ میں بھی اُس کے سوا کچھ نہیں ہے غالب

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا | | ڈبویا ہمکو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

تنزلات کا چکر

بشنو از نے چوں حکایت میکند — وز جدائی ہا شکایت میکند

آفتاب کی بدولت سمندر سے بخارات اڑتے اور ہوا پر کہیں کے کہیں مارے
پھرتے ہیں۔ کسی جگہ ابر بنکر رعد و برق سے آسمان سر پر اٹھاتے ہیں۔
کہیں برف و ژالہ بنکر گرتے اور وہیں کے ہو رہتے ہیں کسی مقام پر موسلا
دھار مینہ بنکر برستے اور زمین پر طوفان اٹھاتے ہیں وہی پانی نالوں سے ندیوں پر
چڑھائی کرنا اور ندیوں سے دریاؤں کا جوش و خروش بڑھاتا لہریں مارتا
بل کھاتا سمندر کا رستہ لیتا ہے۔ ہموار زمین پر پانی کی روانی نظر آتی ہے مگر
آبشار پر پہنچکر نمونہ حشر برپا کر دیتی ہے۔ شور و غل کی ہیبت ناک صدا اور
تلاطم امواج کا ہوش ربا ہنگامہ دل کو دہلاتا ہے۔ موجوں کی سرکشی اور
ایک کا دوسرے کو فنا کرنا حوادث روزگار کا تماشا دکھاتا ہے۔ اس ہنگامہ
رستخیز کے بعد کچھ آگے چلکر پھر وہی عالم سکوت طاری ہوتا ہے گویا دنیا کا
بین العدم ہونا آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ کہیں کچھ پانی کا قطعہ کوہ پر
برف بنکر جم رہا یا چلتے چلتے راہ جو اگر کسی گڑھے میں جا گرا تو منزل مقصود سے
باز رہکر پڑا سڑا کرتا ہے۔ ان عوائق کو پھر آفتاب ہی اپنی نظر عنایت سے دو

کرنا ہے یا تو گرمی شعاع بخار بنا کر دوش ہوا پر اُڑاتی ہے۔ یا پگھلا کر دریا کی جانب رواں کردیتی ہے اور آخر کار اپنی اصل سے جا ملتا ہے ؎

ہر چہ بینی سوئے اصل خود رود		جز و سوئے کل خود راجع شود

ٹھیک تیرا حال بھی بعینہٖ یہی ہو رہا ہے کہ ذات سے جُدا ہو کر خواہشوں میں مبتلا کہیں سے کہیں مارا پھرتا ہے۔ ذات سے علم میں علم سے ارادہ میں اور ارادہ سے ظہور میں آیا۔ ان تنزلات چکر میں پڑ کر اپنی اصل کو فراموش کر بیٹھا۔ اب وہم و نادانی سے جسم کی خندق میں گر پڑا اور خواہشوں کی سردی سے برف کی طرح جم گیا۔ پس راہِ راست سے بہت دور اور بلاؤں کے نرغہ میں مجبور ہے ؎

اگر تو ترک خود گیری خدائی	عطار	چرا چندیں تو در عیں بلائی

تنزلات کا علم

جس وقت اپنی شناخت کی طرف توجہ ہوئی آفتاب ہدایت چمک اُٹھا۔ اِدھر شعاعیں پھیلیں اُدھر ظلمت وہم کافور ہوئی۔ ادہر گرمی پیدا ہوئی۔ اُدھر خواہشوں کی برف پانی پانی ہونے لگی۔ عقل ٹھکانے لگی۔ اوسان درست ہوئے خیالات سیدھی راہ پر آئے۔ غفلت سے آنکھ کھلی ؎

حجابِ رُخِ یار ہم آپ ہی تھے	کھلی آنکھ تو کوئی پردہ نہ دیکھا

یہاں کے سب تعلقات و اضافات جو محض وہمی و خیالی ہیں آخر ہیں بالکل نہیں رہتے ملک و مال اور اہل و عیال تو درکنار خود جسم و جان بھی اپنے نہیں۔ پس جب اپنا کوئی نہیں تو آخر میں **کون ہوں؟** اور **میرا کیا ہے؟** یہ سب دعوی تو بازیگر قلب کی شعبدہ بازی سے پیدا ہوئے ہیں ورنہ **میں یا میرا** نہ پہلے تھا نہ اب ہے۔

ایں تماشا ہا طلسمے بیش نیست	در گذر از جملہ اسمے بیش نیست

اور قلب مجھ سے ہے نہ اُس سے پھر اُس کے شعبدوں سے مجھے کیا سروکار ہے

من چو مرغ اوجِ اندیشہ مگس	رُوم کے رسد بر من مگس ادسترس

عوالم

اس عالم میں جو نظر آرہا ہے۔ اس میں بعض اجسام کثیف ہیں بعض لطیف اور بعض الطف۔ کثیف تو وہ ہیں جن کے اجزا باہم پیوستہ ہیں اور اپنی جگہ دوسرے کو نہیں آنے دیتے جیسے پتھر اینٹ وغیرہ۔ لطیف وہ ہیں کہ نظر تو نہیں آتے مگر حرکت سے محسوس ہوتے ہیں جیسے ہوا مگر وہ بھی جگہ گھیرتے ہیں اس لئے کثیف کے ہم پلہ ہیں۔ جب تک ایک ہوا سے جگہ خالی

نہ ہو دوسری ہوا اُس جگہ میں سما نہیں سکتی۔ البتہ روشنی ایسی چیز ہے کہ
ہزاروں چراغوں کی ایک ہی جگہ میں سما جاتی ہے۔ اس لئے اُن سب سے
الطف ہے مگر کثیف اشیا کے اندر جانے سے وہ بھی قاصر ہے۔ یہ نور عالم ہے
جو جہات و تعینات کا پابند ہے۔ اس سے بالاتر عالم تصور و خیال ہے کہ اُس کو
نہ کوئی حجاب مانع نہ کوئی چیز سدراہ مگر خیال میں بھی یہ کسر ہے کہ وہ ارادہ
اور قدرت کا محتاج ہے البتہ جہاں ارادہ و قدرت کی بھی حاجت نہیں وہ
مقام خلا ہے کہ عرش فرش تک جہاں تلاش کرو موجود ہے مگر وہ بھی
تعین سے خالی نہیں۔ ہاں اس کے بعد عقل سلیم کہتی ہے کہ عالم لامکان
ولاتعین ہے جس میں سارے عالم سمائے ہوئے ہیں مگر عقل اس کی
حقیقت کے ادراک سے درماندہ و حیران ہے۔ پھر سب اُن عوالم مکان
ولامکاں کا ہنگامہ ہم میں موجود ہے اور ہم ہی دراصل اُس کے
موجد و قیوم ہیں۔

خود حجاب خود شدی ورنہ یکیست	قلندرؔ	ہر چہ باشد خود توئی غیر تو نیست

میں کون ہوں

جملہ عالم مجھ میں اور مجھ سے ہیں تو پھر میں کون ہوں؟ میں جسم یا خواص جسم

نہیں کیونکہ میرے بغیر جسم کو میرے نام سے کوئی نہیں پکارتا۔ بلکہ مرا جنازہ کہتے ہیں میں نفس نہیں قلب نہیں روح نہیں۔ کیونکہ یہ سب میرے ہیں۔ میں اُن پر محیط ہوں۔ میں اُن سے پاک و برتر ہوں۔ آخر میں کون ہوں؟ نہ میں مقید ہوں نہ مطلق نہ میری ابتدا ہے نہ انتہا۔ نہ میں نور ہوں نہ ظلمت نہ یقین ہوں نہ گمان۔ یہ سب مجھ سے ہیں اور میں اُن میں موجود ہوں۔

اچھا تو میں کون ہوں؟ رات دن جاڑا گرمی برسات بہار یہ سب زمانہ میں ہیں اور زمانہ ان میں۔ ایسا ہی میں سب میں شامل اور سب پر محیط ہوں۔ صحن سائبان جنوبی حجرہ۔ شمالی دالان۔ یہ سب مکان میں ہیں اور ہر ایک مکان ہے اور مکان ان میں ہے۔ اسی طرح میں سب میں ہوں اور سب مجھ میں پھر بھی میں سب سے پاک ہوں۔ نہ یہ ہوں نہ وہ ہوں۔ جو ہوں سو ہوں۔ مگر بے نام و بے نشاں ہوں ؎

می دمد اثباتم پیش از نفی تو	رومؒ	نفی کردم تا بدی ز اثبات تو
در نوا آرم بنفی ایں ساز را		چوں بمیری مرگ گوید راز را

پیدا وہ ہو جو پہلے نہ ہو۔ مرے وہ جو بعد میں نہ ہو۔ میں تو جسم کے اول و آخر و وسط میں جوں کا توں موجود ہوں۔ جیسے بیداری و خواب و بیہوشی میں

ایک خیال ان حالتوں کے وقوف کی نسبت موجود رہتا ہے پس ان حالتوں کا مشاہد میں ہوں نہ یہ حالتیں ہے

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے	غالب	حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں
تو نہ ایں جسم بل آں دیدۂ	روم	دارہی از جسم گر جاں دیدۂ
آب جاں را ریز اندر بحر جاں		تاشوی دریاے بیدو کراں
تا ترا آنجا برد کو بودہ است		جستن اندر خاک نم بیہودہ است

اور میں اس بکھیڑے میں کیوں پڑوں کہ یہ شاہد و مشہود۔ یہ جزو وہ کل۔ وہی کیوں نہ بنا رہوں۔ جو ان خیالات سے پہلے تھا۔ کیونکہ جوہر لطیف انسانی جو خیال کرتا ہے وہی بنجاتا ہے ے مولوی معنوی۔

اے برادر تو ہمیں اندیشۂ		ما بقی تو استخوان و ریشۂ
گر گل است اندیشۂ تو گلشنی		ور بود خارے تو ہیمہ گلخنی

خطاب (۴)

کہ مقید و اصل مطلق شود	عطار	بندۂ حق بے نشاں چوں حق شود
باش تا روزے کہ ایں فکر و خیال	معنوی	بر کشاید بے حجابے پر و بال
مے نماند در جہاں یک تار مو		کل شئے ہالک الا وجہہ

نے سما بینی نہ اختر نے وجود		جز خدائے واحدِ حی ودود
لیک با این جملہ بالا تر خرام		چونکہ ارض اللہ واسع بود ورام
گرچہ این مستی چو باز اشہب ست		برتر از وے ہم زمینِ قدس ہست

اور زمین قدس کا بیا نہیں ہو سکتا بقول مولانا

چیز دیگر ماند اما گفتنش	روم	با تو روح القدس گوید نے منش
نے تو گوئی ہم بگوشِ خویشتن		بے من و بے غیر من اے ہم تو من
ہوش را بگذار وانگہ ہوش دار		گوش را بربند وانگہ گوش دار

غرض جملہ خیالات و تصورات سے گزر کر حالت گم گشتگی میں محو و مستغرق ہونا چاہیئے پھر نہ شاہد ہے نہ مشہود نہ خودی ہے نہ خدا۔

یارب کوئی نقشِ مدعا بھی نہ رہے	اعلم	اور دل میں خیال ماسوا بھی نہ رہے
رہجائے تو صرف بے نشانی باقی		جو آئے سمجھ میں وہ خدا بھی نہ رہے

اور اس مقام کو **التوحید ترک التوحید فی التوحید** کہتے ہیں۔

حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جب موحد مقام توحید میں پہونچتا ہے۔ تو وہاں موحد رہتا ہے نہ توحید۔ نہ خودی نہ خدا۔ نہ عابد نہ معبود۔ نہ منت۔ نہ منتہ۔ نہ ذات۔ نہ صفات۔ نہ حدیث نہ قرآن۔ نہ اسم نہ مسمیٰ

نہ اوّل نہ آخر۔ نہ ظاہر نہ باطن۔ نہ بہشت نہ دوزخ۔ نہ نور نہ ظلمت۔ نہ نفی نہ اثبات۔ نہ آسمان نہ زمین۔ نہ منزل نہ مقام۔ نہ طالب نہ مطلوب نہ طلب۔ نہ عاشق نہ معشوق نہ عشق۔ نہ آدم نہ ابلیس نہ کفر نہ اسلام نہ حلال نہ حرام نہ عدم نہ وجود۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ جب عارف اپنے نفس کی شناخت کر لیتا ہے تو اپنے رب کو پہچانتا ہے **من عرف نفسہ فقد عرف ربہ**۔ اور اس شناخت سے بے اختیار شکر نا متناہی واجب ہوتا ہے جس کی شدت وکثرت میں نہ عارف رہتا ہے نہ معروف علی ہذا کمال عشق بھی یہی ہے کہ عاشق رہے نہ معشوق صرف عشق ہی عشق رہ جائے اگر بظاہر کمال عشق یہ سمجھ میں آتا ہے کہ معشوق سے وصل ہو جائے مگر وصل یہ ہے کہ اُس کو بھی بھول جائے کیونکہ حیات عاشق سے ہے نہ معشوق سے جیسے پروانہ جب شمع پر گرا تو اُس کا وجود جو غیر تھا جلکر فنا ہو گیا اور شعلہ آتش نے اُس کو بالکل اپنا سا بنا لیا پس اُس کی غذا و بقا اب محض آتش ہے نہ شمع رہی نہ پروانہ۔ اور اسی مقام کو حضرت عطار یوں فرماتے ہیں۔

دل بود طعمہ غیر زچار خطر
مرد باید کہ بگذرد زیں چار

	اول
خطرهٔ آنها بیشتر پندار	گر بود خاطر تو مائل حق
	دوم
خطرات ملائکیش شمار	ور بسوی عبادتت کشش
	سوم
این کشاکش ز نفس بد انگار	ور بود این فن تو مائل خود
	چہارم
این چنین و چنان بر آرم کار	ور بیابیش در تردد باد
این خطر از دست هر دم خوار	جان من این خطر ز شیطان است
نه خزان ماند و نه فصل بهار	از خطرها اگر برون آئی
هست جای شکیب و جای قرار	تام این منزل نوا اوست
بلکه زینجا گذشتن دشوار	لیک اینجا ستادنت مشکل

اور قلندرؒ صاحب پانی پتی نے ایسی شعر میں خاتمہ کر دیا ہے

سر برہنہ نیستم دارم کلاہ چار ترک
ترک دنیا ترک عقبیٰ ترک مولا ترک ترک

پیدائش عالم وفنائے اتم

وہ ذات بیچون وبیچگون بے شبہ وبے نموں ہے نہ اُس کو کسی شے سے مشابہت نہ کسی شے کو اُس سے مناسبت نہ لطافتِ خلا کو اُس کے تنزیہ سے کچھ نسبت۔ نہ رسائی عقل کو اُس کی ماہیت سے کچھ واقفیت وہ وراء الورے سب تشبیہوں اور استغفاروں سے پاک اور عقل وفہم سے بری ہے۔ لیس کمثلہ شیء ہ

اے برتر از خیال وقیاس وگمان ووہم		وز ہرچہ گفتہ اند وشنیدیم وخواندہ ایم

پس اُس تک رسائی بے صفات کے اور صفات تک بغیر آثار کے ناممکن ہے۔

جہاں دیکھا کسی کے ساتھ دیکھا	ذوق	تجھے ہم نے کبھی تنہا نہ پایا

ان آثار ہی کا عالم ہے جس کو نہ فانی کہہ سکتے ہیں نہ باقی۔ نہ باطل کہہ سکتے ہیں نہ حق اس عالم میں آثار صفات کا رنگارنگ مخلوق کی صورت میں نظر آنا یا عقل وادراک میں پایا جانا صرف ایک نمونہ ہے جو اہل ظاہر کے نزدیک موجود حقیقی اور اہل باطن کی نظر میں نیست ہست نما ہے ہ

بحر را پوشید وکف کرد آشکار	روم	باد را پوشید وبنمود ت غبار

اُس ذات پاک سے عالم امکان میں اوّل روح نے ظہور پکڑا جو نہایت

لطیف اور اثر فعل سے پاک و مبرا ہے۔ حضرت قلندر پانی پتی نے روح کے مخاطبہ میں چند اشعار لکھے ہیں ؎

مرحبا اے فیض بخش کائنات — یافت ترکیب از وجودِ تو حیات
غرق بودی در محیطِ ذات پاک — از تو روشن شد چرا ایں تیرہ خاک
اے کہ بودی در ہوائے لامکاں — چوں جدا گشتی بگو رازِ نہاں
پاک بودی در حریم کبریا — از چہ پیدا شد ترا حرص و ہوا
گاہ در دوزخ روی سازی مقام — گاہ در جنت روی اے خوش خرام
گہہ کنی جلوہ در اقلیم فنا — گہہ روی در عالم ملک بقا
از نور روشن کوکب ایمانِ من — پردہ بردار از رخِ جانانِ من
در سخن شد عندلیب با نوا — گفت بشنو تا بگویم راز ہا
آفریدہ حق مرا از نور ذات — تا شناسم ذات او را از صفات
بودہ ام در باغ وحدت بے نشاں — چوں بکثرت آمدم گشتم عیاں
امر ربم روح کردہ نام ما — کردہ پُر ساقی ز وحدت جام ما
تافت بر ہر ذرّہ خورشید کمال — گشت پیدا از جمال ذو الجلال

غرض روح نے جب ارادہ کیا کہ کچھ کام کروں تو اُس سے جو حرکت پیدا ہوئی

اُسی کا نام قلب ہے۔ یا یوں سمجھو کہ وہ لفظ جس سے دائرۂ موجودات گردش میں آیا۔ قلب ہے اگر ارادہ اظہار ہوا تو محسوسات تک نظر آنے لگے نہ ہوا تو کچھ بھی نہیں جیسے ہوا چلی تو محسوس ہوئی ورنہ خیر۔ ے اعلم

کی جو لبس قلب نے ذرا حرکت	ہوئی پیدا شبیہ و شکل و مثال

یہاں سے ظاہر ہے کہ قلب بھی ایک وجود لطیف ہے جو نور ذات سے ہے اور جملہ موجودات میں ساری اور ہر جگہ موجود ہے۔ مولوی معنوی۔

این جمالِ دل جمالِ باقی است	دو لبش از آبِ حیواں ساقی است
خود ہم او آب ست وہم ساقی و مست	ہر سہ یک شد چوں طلسمِ تو شکست

اس آئینہ سے فوراً دوئی یعنی دیکھنے والا اور صورت پیدا ہو گئی۔ یوں عالم نے ظہور پکڑا سمجھنے کی بات ہے گویا تمھاری صورت تم کو تمھارے اندر نظر آنے لگی یعنی اپنی صورت اپنی ذات میں اپنے آپ کو نظر آنے لگی۔ جیسے نور آفتاب جب نظر میں سمایا تو آفتاب نظر آیا یعنی آفتاب ہی نے آفتاب کو دیکھا۔ شاہ حمزہ رح

روے در روے شہود اند شہود	عین عین اللہ نمود اندر نمود
خود خودی با خود رہ دیگر مپو	تو توئی با تو درِ آخر مجو
چوں تو خود یار خودی در خانماں	از کہ باشی تو جدا اے عین جاں

رو ہوے بسطامِ دل کنجے نشیں		خوش چہ جوئی حق توئی اے مرد دیں

مگر جب دیکھنے والا جدا اور صورت جدا سمجھی تو وہی تفرقہ پڑ گیا۔ اور غلطی میں پھنس گیا

اتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بعد ہے	غالب	جتنا کہ وہم غیر سے ہوں پیچ و تاب میں
ہیں جلوہ ناز سے نکل کر	اعلم	بھیس اپنے فراق کا بدل کر
خود اپنی تلاش کو چلا ہوں		واقف نہیں کون ہوں میں کیا ہوں
گم ہو کے بنا ہوں اپنا جویا		میں خود نہیں دوسرا ہوں گویا
بیگانہ وشی مری عجب ہے		اپنے کو بھلا دیا غضب ہے

اگر خیال ظاہر پر دوڑ گیا تو اشیاے فانی پر فریفتہ ہو کر مبتلاے عذاب ہو گیا اور باطن کی طرف متوجہ ہوا تو حقیقت پر مائل ہو کر اپنی اصل میں جا ملا اور راحت جاوید اُس کا حصہ ہوا۔ جیسے سمندر کی لہر اگر باہر آئی تو ہزارہا مختلف لہروں سے اُس کو سابقہ پڑا اور اندر کی طرف گئی تو اصل میں جا ملی۔ پس جب تک یہ حرکت قایم ہے قیام عالم ہے اور جب یہ جاتی رہی عالم بھی نہ رہا۔

صورت از بے صورتی آمد بروں	روم	باز شد انا الیہ راجعوں

غرض عالم کی بود و نابود حرکت قلب پر منحصر ہے۔ اسی سے تفرقہ اُٹھتا اور اسی سے فرد ہو جاتا ہے۔ جیسے آگ ہوا سے ہی بھڑکتی اور ہوا سے ہی بجھ جاتی ہے۔

دنیا خواب است زندگانی در وے	خوابے است کہ در خواب ببینی آں را

واقع میں یہ سارا جہان جو بعد روح نظر آتا ہے ایک خواب طویل ہے کہ خیال انسانی نے اُس کو اصلی مان رکھا ہے ورنہ اپنا ہی ظہور ہے یعنی اپنے ہی خیال نے یہ صورت پکڑی ہے۔ واللہ اعلم۔

نظر چاہیئے اور صفا چاہیئے	دل آئینہ ہے دیکھنا چاہیئے
کروں مرکز قلب پر میں نگاہ	کہ نکلی جہاں سے دو عالم کی راہ
پڑی اپنی صورت پہ اپنی نظر	ہوا عکس آئینہ میں جلوہ گر
فقط میں ہی میں ہوں کہاں غیر ہے	نئے ایک کے دو عجب سیر ہے
کیا آپ پر میں نے اپنا ظہور	نمایاں دوئی پر دوئی مجھ سے دور
عدم میں بھی میں آپ موجود ہوں	کہ شاہد بھی ہوں اور مشہود ہوں
میں جنبش کروں تو وہ جنبش کرے	مرے حکم سے وہ جیئے اور مرے
نہ مجھ سے جدا وہ نہ میں اُس سے دور	وہ میرے مقابل ہیں اُس کے حضور
وہ مجھ میں سمایا ہے بنکر عدم	میں اُس میں سمایا ہوں بے کیف و کم
میں کرتا ہوں ظاہر میں اس سے خطاب	پس پردہ دیتا ہوں خود ہی جواب
ہے القصہ فعل اُس کا میرا ہی کام	بس آگے خبر کچھ نہیں والسلام

رنگ جو بمد د آفتاب روشنی میں نظر آرہا ہے اُس کو حقیقی سمجھنا دھوکا ہے وہ خارجی وجود نہیں رکھتا بلکہ آفتاب ہی کا ظہور ہے کیونکہ آفتاب کے خیال یعنی شعاع نے یہ صورت پکڑ رکھی ہے نہ اس کو عین کہہ سکتے ہیں نہ غیر۔ یہ طلسمات دو جہاں بھی منشور قلب کے ذریعہ سے نظر آرہا ہے ورنہ حقیقت میں آفتاب حقیقی جلوہ گر ہے۔ اعلم

اپنے ہی تصور سے ہیں یہ جملہ طلسمات
نہ حق ہے نہ باطل ہے نہ سافل ہے نہ عالی

جب زور ہوا وہم کا سب ہو گئے موجود
یہ نیک ہے یہ بد یہ جلالی یہ جمالی

ہے روشنی سب ایک نہ تمیز نہ تفریق
گنتی میں ہزاروں ہیں چراغان دیوالی

ہر چند مٹھائی کے بکثرت ہیں کھلونے
سب قند ہیں جب ٹوٹ گئی شکل مثالی

ہر قسم کا مبدا ہے وہی ایک حلاوت
گو مختلف اقسام سے معمور ہے تھالی

نے کشف و کرامت نہ مناصب نہ مراتب
نیرنگ دو عالم ہے تماشائے خیالی

اہل عالم کی حالتیں

اہل عالم کی حالتیں دو ہیں۔ ایک خواب دوسری بیداری۔ اہل تحقیق کے نزدیک دونوں برابر ہیں۔ صرف اتنا ہی فرق ہے کہ ایک کلاں ہے ایک خورد۔ جس طرح بیداری میں خواب کی اشیا وجود خارجی نہیں رکھتیں۔ ایسے ہی

خواب میں بیداری کی اشیا کا حال ہو جاتا ہے پس دونوں حالتیں خواب وخیال ہیں وجود اصلی دونوں میں ایک بھی نہیں رکھتی۔ جو واقعات خواب میں پیش آتے ہیں وہ اُس حالت میں یقینی معلوم ہوتے ہیں مگر آنکھ کھلنے کے بعد جب وہ حالت بدل گئی تو بے اصل معلوم ہوتے ہیں اسی طرح جو معاملات بیداری میں یقینی اور واقعی معلوم ہوتی ہیں اُن کی قلعی حصول معرفت کے وقت کھل جاتی ہے اُس وقت حیرت ہوتی ہے کہ یہ سارا تماشا جو نظر آرہا تھا کہاں گیا ع

	نے سمابینی نہ اخترنے وجود	
جب آنکھ نہ تھی تو دیکھتے تھے سب کچھ	میر درد	جب آنکھ ہوئی تو کچھ نہ دیکھا ہم نے

بیداری کے ربط وضبط وتعلق باہمی کا معاملہ بھی خواب جیسا ہے نہ یہ وجود اصلی رکھتا ہے نہ وہ صرف خیال نے مان رکھا ہے۔

بحر وحدت میں سب ہیں مستغرق	اعلم	روح وجسم وحواس وعقل وکمال
ذات واحد صفات گوناگون		غضب ورحمت وجلال وجمال
ہے یہاں نسبت واضافت ہیچ		ہستی ونیستی بھی ہے پامال
آن واحد ہے جو ہوا سو ہوا		وقت ماضی یہاں نہ استقبال

بیان بالا سے ظاہر ہوا کہ جیسے خواب کی اشیا بیداری باقی نہیں رہتیں

ایسے ہی عالم بیداری کے اشیا معرفت کے وقت نہیں رہتیں۔
کیونکہ جب انسان اپنے اصلی مرکز پر جہاں سے چلا تھا پہونچ جاتا ہے۔
تو یہ سارا جہان مٹ جاتا ہے۔ جیسے نقطہ فوکس یا نقطۂ دماغ میں جو نظر
پتلیوں سے گزر کر بناتی ہے سارے جلسہ کی صورتیں سما جاتی ہیں
اور نہیں معلوم ہوتا کہاں گئیں۔ ع

	نکل گئی پربت کو رائی سرسوں کھولی آنکھونیں	

اور یہ نقطہ (مرکز اصلی انسان) محدود معین نہیں نہ طول رکھتا ہے۔ نہ عرض
نہ عمق نہ بعد نہ مسافت نہ تحت نہ فوق نہ راست نہ چپ نہ پیش نہ پس اور
ایک ذرہ بھی اگرچہ علیین و سافلین نامتناہی کا اُس سے خارج نہیں لَا یَعْزُبُ
عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ۔ حضرت عطار

زنقطہ مگر رد مے باش ساکن		کہ تا چوں انبیا باشی تو ایمن

شبلی علیہ الرحمۃ نے اسی مقام بے مقامی کی طرف اشارہ کیا ہے کہیں لفظ
بائے بسم اللہ ہوں۔ آن واحد وہ لمحہ ہے کہ ازمنہ گذشتہ و نیامدہ ازل سے
ابد تک اُس میں موجود و حاضر ہیں ۔ مولوی معنوی

چوں ز ساعت ساعتے بیروں شوی		چوں نماند محرم بیچوں شوی

زانکہ آں سو جملہ ملت ہا یکے است	صد ہزاراں سال و ساعت ہا یکی است
ہست ازل را و ابد را اتحاد	عقل را رہ نیست سوے انتقاد
لامکانے کاندراں نورِ خدا است	ماضی و مستقبل و حالش کجا است

یہ نقطہ یا لمحہ واحد حقیقی کے اسرار وحدانیت و فردانیت کا مظہر ہے نہ کہ خود واحد حقیقی۔ وہ ذات پاک اس سے بھی منزہ ہے کیونکہ ازمنہ و امکنہ و جہات سب حادث ہیں اور وہ قدیم۔ پھر حادث میں قدیم کی سمائی کہاں۔ اور یہ مقام خبر دیتا ہے۔ لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ[1]۔ اور مقام محمود[2]۔ اور مقامِ ابراہیم[3] سے۔ عطار

الا اے نور قدسی باز بنما	ز زنگ آئینہ دل پاک بزدا
زمین و آسماں بردار از پیش	نمودِ جسم و جاں بردار از پیش

جب سالک کو رحمت کاملہ جذب کر کے مشاہدہ میں لیجاتی ہے تو اُس کو حال سے کہتے ہیں اور حال میں کچھ شعور نہیں رہتا ہے جو پہنچتا ہے وہی ندارد ہوتا ہے پھر بیاں میں کیا اُسکے۔ ع محرم ناسوت بالاہوت باد

لہ[1] لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ نَبِیٌّ مُرْسَلٌ وَلَا مَلَکٌ مُقَرَّبٌ۔
سے[2] مَقَام محمود عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا
سے[3] مَقَامِ اِبْرَاھِیْم وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا۔

نے نفی شود ترا نه اثبات راه پس و پیش بسته گردد نے شرح بود عبارتے را	واعظ	این خانه ششدرست و شه مات نطع کم و بیش درنوردد نے زهره بود اشارتے را
اے خدا بنمائے ما را آن مقام گام اندازیم و آنجا گام نے زانکه آنجا جمله اشیا جانی ست	معنوی	کاندران بیحرف مے روید کلام جام پردازیم و آنجا جام نے معنی اندر معنی دربانی ست
درین جا می نیاید روے دلدار درین جا نیست جسم و عقل و ادراک	عطار	عیان عشق با غیر لیس فی الدار نمودارست این جا صانع پاک

تمت

مناجات

اعلم

خدایا وہ کامل نظر دے مجھے ۔۔۔ کہ ہر ایک ذرّے میں دیکھوں تجھے
وہ غم دے کہ ہو جائیں سب غم غلط ۔۔۔ نہ ہو اور کچھ تو ہی تو ہو فقط
اگر غرق طوفاں ہو کل کائنات ۔۔۔ نہ پھسلے مگر میرا پائے ثبات
رہے دھیان میں کچھ نہ دوزخ بہشت ۔۔۔ تری دید بن جائے میری سرشت
مرے دل سے زنگ دوئی دور کر ۔۔۔ مرے دل کو وحدت سے معمور کر
مٹے وہم باطل نظر آئے حق ۔۔۔ پڑھوں پتے پتے سے تیرا سبق
نگاہوں میں ہو جلوہ گر تو ہی تو ۔۔۔ ہر ایک گل میں پاؤں ترا رنگ و بو
کروں فہم تجھ کو ہر اک بات سے ۔۔۔ سنوں تیرا نغمہ جمادات سے
ترا جلوہ دیکھوں نہاں و عیاں ۔۔۔ نہ پائے مگر مجھ کو میرا نشاں
ترے بادۂ عشق سے ہو کے مست ۔۔۔ سنوں گوش جاں سے ندائے الست
کہوں میں بلیٰ اور ہو جاؤں لا ۔۔۔ محبت کے شعلہ سے مجھ کو جلا
کہوں اور سنوں خود بنوں چشم و گوش ۔۔۔ مری بیخودی پر ہو قربان ہوش
محبت کے دریا میں مجھ کو ڈبو ۔۔۔ تمنا ہے اب تو جو ہو سو ہو
رہے ماسوا کا نہ ذرہ خیال ۔۔۔ مجھے ایک ہو جائے ماضی و حال

خلا و ملا میں نہ ہو وہم غیر | کروں بیخودی میں خدائی کی سیر
مرے وصف بنجائیں تیری صفات | مری زیست بنجائے تیری حیات
مری بات بنجائے تیرا کلام | مری چال ہوجائے تیرا خرام
پلا مجھکو عرفاں کا جام رحیق | تحیر کے دریا میں کردے غریق
نہ لیلا رہے اور نہ مجنوں رہے | فقط درمیاں ایک مضموں رہے
نہ ساغر رہے اور نہ ساقی رہے | سوا تیرے کوئی نہ باقی رہے

خاتمہ

یہ رسالہ (جو اس سے قبل آگرہ میں طبع ہو چکا تھا) جناب حضرت رشید الدین صاحب نے ہادی طریقت سالک حقیقت واقف اسرار خفی و جلی حضرت پیر و مرشد خواجہ شمس الدین صاحب چشتی قادری عیدروسی دام فیوضہم کی خدمت بابرکت میں پیش کیا اور حضرت قبلہ ممدوح نے بکمال خوشنودی عالیجناب معلی الالقاب سرامد امرائے دکن سرکار والا تبار راجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت مدارالمہام دولت آصفجاہی دام اقبالہ سے اسکے دوبارہ طبع کی نسبت ارشاد فرمایا اور سرکار دام اقبالہ نے اس ذرۂ ناچیز سے حکم فرمایا کہ یہ لاجواب نسخہ چھپکر تیار ہو لہذا میں نے بکمال صحت اسکو چھپوا کر خدمت اقدس میں پیش کیا تحریر فی التاریخ ۲۴ ربیع الاول ۱۳۲۶ھ

نادر علی برتر

م - ن ۳۹۷۵۶۱

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ لیا جائیگا۔

14658

۳۰۰

۲۸-۱۲-۵۷

216

130

کتب خانہ
جامعہ عثمانیہ

۱۔ اراکین مجلس اعلیٰ، مجلس عاملہ، مجلس انتظامی، مجالس تعلیمات و نصاب پانچ کتابیں ایک ماہ کیلئے اپنے پاس رکھ سکینگے۔

۲۔ اساتذہ جامعہ عثمانیہ و کلیہ جات ملحقہ و اراکین دارالترجمہ دس کتابیں ایک ماہ کیلئے اپنے پاس رکھ سکینگے۔

۳۔ طلبائے ایم اے، ایم ایس سی ہر ہفتہ دو کتابیں، بی اے اور انٹرمیڈیٹ کے طلبا تین کتابیں، ایم اے، ایل ایل بی و تحتانی جماعتوں کے طلبہ پانچ کتابیں دو ہفتہ کیلئے اپنے پاس رکھ سکینگے۔

۴۔ مدت مقررہ پر کتابیں واپس نہ ہوں تو طلب کی جائیں، ایک آنہ یومیہ فی کتاب جرمانہ لیا جائیگا۔

۵۔ بشرط موقع قلمی کتابیں گھر جاری کی جا سکینگی مگر اس غرض کیلئے پیشگی صدر کتب خانہ کی اجازت کا لانا لازم ہے۔

۶۔ کتابیں گم یا خراب ہو جائیں تو مستعیر ذمہ دار ہوگا۔

۷۔ کتابوں پر کسی قسم کا نشان سیاہی یا پنسل سے نہ لگایا جائے۔

۸۔ قلمی نسخے اور حوالے کی کتابیں جاری نہ کی جا سکینگی۔ فقط